جغرافیے کے معتوب
محمود درویش
انور سِن رائے

جغرافیے کے معتوب

محمود درویش

انور سِن رائے

Jughrafey Kay Ma'toob
Selected Poems of Mehmood Darwesh
Adaptations By Anwer Sen Roy

اشاعت: 2016ء

کمپوزنگ: احمد گرافکس، کراچی

سرورق: انور سن رائے

طباعت: اے جی پرنٹنگ سروسز، کراچی

تقسیم کار

۱۔ فضلی بک سپر مارکیٹ ۳۔ مکتبہ دانیال، کراچی
اردو بازار کراچی۔ عبداللہ ہارون روڈ، کراچی

۲۔ ویلکم بک پورٹ ۴۔ فکشن ہاؤس
اردو بازار، کراچی مزنگ روڈ، لاہور۔

بی۔ ۱۵۵، بلاک ۵، گلشن اقبال، کراچی۔

info@scheherzade.com

انتساب

منو بھائی، انیس ناگی، محمد کاظم، ضمیر احمد، فاروق حسن، کشور ناہید، آصف فرخی، اجمل کمال اور ان تمام لوگوں کے نام جو محمود درویش کی شاعری کو اردو میں منتقل کرتے رہے ہیں یا جن کی ذریعے میں نے محمود درویش کے بارے میں جانا۔

کچھ اس شاعری کے بارے میں

محمود درویش کی شاعری میں نے پہلی بار اسّی کی دہائی کے آخر میں انیس ناگی کے طفیل پڑھی۔ ان دنوں میں کراچی کے ان اپارٹمنٹس میں رہتا تھا جن میں افتخار جالب بھی رہتے تھے، انیس ناگی یورپی ملکوں کے دورے سے لوٹتے ہوئے افتخار جالب کے ہاں ٹھہرے، وہ جو کتابیں لائے تھے ان میں ایک انتھولوجی The Victim Of The Map بھی تھی۔ عربی شاعری کی اس انتھولوجی میں تین شاعر تھے: محمود درویش، ادونیس اور سمیح القاسم۔ میں ان میں سے صرف محمود درویش کے نام کسی حد تک واقف تھا۔ یوں بھی تب میری دلچسپی خاص طور سے محمود درویش میں میادہ تھی لیکن اس کی شاعری زیادہ میسر نہیں آسکی لیکن اس انتھالوجی میں جو بھی نظمیں تھیں انھیں میں نے ایک ایک کر کے اردو میں کر ڈالیں۔ نوے کی دہائی میں میرے دوست نذیر لغاری نے وہ نظمیں دیکھیں تو ان میں سے بہت سی نظمیں روزنامہ جنگ کے سنڈے یا مڈویک ایڈیشن میں ایک ساتھ شایع کر دیں۔ بعد میں ان سے کچھ نظمیں آصف فرخی نے دنیا زاد کے 'عاشق من الفلسطین ۲' میں بھی شامل کیں۔ 2001 میں میں ملازمت کے سلسلے میں لندن چلا گیا جہاں محمود درویش کی شاعری کو پڑھنے کا زیادہ موقع ملا اور وہیں رہ کر میں نے اس کی اور نظمیں اردو میں کیں۔ اس کی ایک وجہ تو اس کی شاعری کی دستیابی تھی، دوسری یہ کہ بی بی سی ورلڈ سروس کے صدر دفتر میں جو ان دنوں بش ہاؤس میں تھا اردو کے ساتھ ساتھ دوسری تیس سے زیادہ زبانوں کی سروسز کے لوگ بھی تھے جن میں خاص طور سے عربی، فارسی اور ہندی کے کچھ لوگوں سے قربت نسبتاً کچھ زیادہ تھی۔ ان میں بہت سے ایسے تھے جو یا تو خود شاعر اور

ادیب تھے یا انھیں اپنی اپنی زبانوں کے ادب سے خاصا لگاؤ تھا اور ان سے ان کی زبانوں کے شاعروں اور ادیبوں اور ادب کو سمجھنے کے بارے میں ایسی مدد بھی مل جاتی تھی جو کتابوں سے کہیں زیادہ ہوتی تھی لیکن تیسری اور بڑی وجہ یہ تھی مجھے لندن میں موجود زندگی کی دوسری دلچسپیوں میں اتنی رغبت نہیں تھی جتنی دنیا بھر کی شاعری، ادب اور ادیبوں سے تھی اور لندن میں ان کے مواقع بھی کم نہیں تھے۔

میں نے محمود درویش، ادونیس، پابلو نیرودا، منگلیش ڈبرال، راجیش جوشی، اسد زیدی، نزار قبانی اور کئی یورپی شعرا کی بیش تر شاعری کو اُنھی برسوں کے دوران اردو میں کیا۔ اس کا ایک بڑا سبب تو یہ ہے کہ میں انگریزی بھی اردو میں پڑھتا اور سنتا ہوں اور اس کا سبب چالیس سال سے زائد عرصے تک زندگی کرنے کے لیے اردو صحافت پر انحصار ہے۔

میں ان نظموں کو نہ تو ترجمہ کہنے کے حق میں ہوں نہ ہی ترجمہ سمجھتا ہوں، میرے خیال میں ترجمہ ناممکن ہے، میرے خیال میں یہ ماخوذ ہیں اور ماخوذ ان معنوں میں ہیں کہ یہ اُن کیفیتوں کا اظہار ہیں جن سے میں ان نظموں کو پڑھتے ہوئے گذرا جنھیں میں نے اردو میں کیا۔ میں نہیں سمجھتا کہ اُس کیفیت میں داخل ہونا ممکن ہے جس میں ایک شاعر نظم کہتے ہوئے ہوتا ہے چہ جائے کہ وہ کیفیت ایک اور زبان اور ایک اور انسان کے بیان/ اظہار سے گذرنے کے بعد پہنچے۔ مجھے نہیں معلوم کہ جو ان نظموں کو پڑھیں گے انھیں یہ تجربہ در تجربہ اظہار کیسا محسوس ہوگا۔ میرے لیے یہ شاعری، میری ہے اور میں نے اسے محمود درویش سے لیا ہے لیکن اگر یہ کسی کو محمود درویش کا احساس دلائے گی تو میری لیے یہ انتہائی مسرت کی بات ہوگی کیوں کہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ شاعری کسی حد تک اپنی اصل کے قریب جا پہنچی ہے۔

ایک اور وجہ یہ ہے کہ محمود درویش ہی کی نہیں اور کئی شاعروں کی بہت ساری نظمیں ایسی ہیں جن کے انگریزی میں بھی کئی کئی متبادل متن یا ترجمے موجود ہیں۔ اردو میں بھی ایسا ہے۔ میں نے ٹی ایس ایلیٹ کی نظم ویسٹ لینڈ کے اردو میں پانچ مختلف متن دیکھے ہیں۔ اگر آپ کا دل مانے تو موجودہ کتاب میں شامل نظموں کو بھی اسی نوع کا ایک اظہار سمجھیں۔ اس

پر بھی اگر کوئی انھیں ترجمہ کہنے پر اصرار رکھتا ہوں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ ویسے بھی اگر ادیب اور شاعر مر چکے ہیں تو مترجم کو کون بچائے گا؟

آصف فرخی اس کتاب کو ۲۰۰۷ میں شائع کرنا چاہتے تھے۔ اس کی تمام کمپوزنگ بھی ہو گئی تھی لیکن میرے گریز کی وجہ سے اس کی اشاعت رک گئی۔ اب بھی اگر آصف فرخی کا اصرار بل کہ حوصلہ افزائی شامل نہ ہوتی تو میرے دوسرے بہت سے کام کی طرح یہ نظمیں بھی پڑی رہتیں اور پھر جیسے اور دوسری بہت ساری نظمیں اور کہانیاں اِدھر اُدھر ہو چکی ہیں یہ بھی اِدھر اُدھر ہو جاتیں۔ اس لیے آصف کا بہت بہت شکریہ۔

آخری بات یہ ہے کہ اب اس شاعری کا دعویدار کوئی بھی ہو سکتا ہے۔ شاید یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ہر پڑھنے والے کے لیے یہ ایک نیا جنم لیں گی جیسے تمام متن لیتے ہیں۔ ان معنوں میں ہر متن ایک آئینہ ہوتا ہے لیکن عام آئینوں سے مختلف کیوں کہ ان میں ہر پڑھنے والے کو اپنا ظاہر نہ ہونے کے برابر اور باطن زیادہ واضح دکھائی دے سکتا ہے۔

محمود درویش کی شاعری کو انگریزی میں کرنے والوں کی ایک بڑی تعداد ہے۔ عربی میں ان کی شاعری کے 40 سے زائد مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ اس کے علاوہ نثر کی بھی کئی کتابیں ہیں۔ ان نظموں کی اردو کرنے کا میرا بنیادی مقصد تو خالص ذاتی تھا کہ میں ان نظموں کی ساخت کے تجربے سے گذر کر دیکھنا چاہتا تھا اور انھیں شائع کرانے کا مقصد اس تجربے میں انھیں شریک کرنا ہے جو ایسی باتوں سے دلچسپی رکھتے ہوں۔

انور سن رائے

جولائی 2016 کراچی

فہرست

پڑھنے والوں کے لیے

یہیں رہتا ہے محمود درویش
روز ملتا ہے، پہلی بار
وہ مجھے ملا تھا لندن میں
ٹیمز کے جنوبی کنارے پر
دنیا بھر کی موسیقی سے بنائی گئی عمارت کی پانچویں منزل پر
جہاں شاعری نے ایک گھونسلہ بنایا ہے

ہم نے ٹیرس پر بلیک کافی پی
اُس نے کہا سورج کا غروب بگ بین سے کیا پوچھتا ہے؟
اُس نے سست روی سے گذرتے پانی
اور بے نیازی میں بہتے بچوں اور عورتوں کو دیکھا اور کہا:
نہ تو خوش ہیں اور نہ اداس
اور کوئی فکر نہیں ان کے پاؤں کو زمین کی
ہونے اور نہ کی
ٹیمز رہے گا ٹیمز میں
نہ تو دجلہ بنے گا اور نہ فرات

وہ تو نیل بھی نہیں بنے گا
وہ کبھی پرندوں کے پروں پر بادلوں میں جانے کا خواب نہیں دیکھے گا
اس کے پاس وہ دکھ نہیں جو خواب بن جاتے ہیں
یا ایک پتھر جو ٹینکوں کا سامنا کرتا ہے

کیا تم نے ٹیمز کی سیر کی، غروبِ آفتاب یا رات کے سامنے؟ میں نے پوچھا
نہیں، میں نے زخم میں بیٹھ کر کھجوروں اور زیتونوں کا سفر کیا ہے

تمھارے لفظ وقت، اشیا اور فراموشی کی تجسیم بن جاتے ہیں؟

میں خود کلامی کرتا ہوں
'میرے جذبات اور الفاظ، ہمارے حالات ہیں جو سانس ہی نہیں لینے دیتے'

کافی ختم ہو جاتی ہے،
بادل سیاہ ہوتے جاتے ہیں
اُسے جانا ہے رسل اسکوائر شاید سواس
جلاوطن عرب پرندوں سے ملنے
وہ اٹھ کھڑا ہوتا ہے

کیا ہم پھر کبھی ملیں گے؟
زمین کی طرف جاتے ہوئے میں نے پوچھا
ضرور، اس نے کہا

کیسے؟... کہاں؟ میں نے پوچھا
شاعری میں، جہاں ہم پہلے ملے تھے

اب تک ہے میرے سینے میں اس کے سینے کا لمس
اب تک ہے میرے ہاتھ میں
اس کی ہتھیلی کی گرم جوشی اور انگلیوں کا لمس
میں اس کی نظمیں پڑھتا ہوں
میں اس کی نظمیں خود کو سناتا ہوں
اور اب یہ نظمیں میں سنا رہا ہوں تمھیں

یہ نظمیں اگر تمھیں شاعری لگیں
تو یہ شاعری محمود درویش کی ہے
اس کی ویران پہاڑیاں، کھجوروں اور زیتون کے درخت
بچوں اور نوجوانوں سے آنکھ مچولی کھیلتی موت
کفن میں پلٹنے اور نہ پلٹنے والے جوان
بیٹوں کے کپڑوں اور بستروں کو دلاسے دیتی مائیں
پھولوں پر بہار کو شرماتی لڑکیاں
اور جنازوں کے سوگ پیشہ شریک
سب کے سب محمود درویش ہیں
محمود درویش ہیں یہ نظمیں
جتنی اور جیسی بھی آسکی ہیں مجھ میں
تم چاہو تو بنا لو انھیں اپنا، دے دو انھیں اپنی زبان

اس کے باوجود اگر یہ نظمیں تم سے بات نہ کریں
نہ دکھائیں تمھیں اپنے زخموں میں کھلتے گلاب
نہ کریں تم سے سرگوشیاں
نہ ہوں تم سے ہم آغوش
نہ اترے ان کے پستانوں میں اگر تمھارے لیے دودھ
تو سمجھ لینا، یہ میں ہوں، ایک نا اہل فرشتہ
جو پیغام بھول جاتا ہے یا کر دیتا ہے الفاظ میں کچھ ردو بدل

OO

پیش لفظ

جغرافیے کے معتوب کا آغاز ایک نظمیہ پیش لفظ سے ہوا ہے۔اس میں انور سن رائے نے ایک تخیلی مکالمہ لکھا ہے۔اس کا نصف سے زیادہ حصہ محمود درویش سے مکالمے پر مشتمل ہے ،اور آخری حصہ اس کتاب کے قارئین سے تخاطب پر مبنی ہے۔محمود درویش سے مکالمہ ،دراصل ان کی شاعری سے گہری شناسائی کی اس سطح تک پہنچنے کی کوشش کا مظہر ہے ،جو شخصی و نجی سطح ہوتی ہے ،اور جہاں زبان، تاریخ، جغرافیے ،تجربات ،اسلوب وغیرہ کی غیریت کم سے کم رہ جاتی ہے ۔ہر چند انور سن رائے ایک حد تک یہ تاثر ابھارتے ہیں کہ وہ 'شاعری میں'درویش سے ملاقات کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں ،یعنی وہ درویش کی نظموں کے لہجے کی لرزشوں، مافیہ کی سطحوں ،لفظوں کی لغوی و مجازی دلالتوں ،اور عمومی شعری فضا وغیرہ کو محسوس کرنے کے قابل ہوئے ہیں ،مگر انھیں یہ کہنے میں تامل ہے کہ وہ اس سب کو اردو میں بھی منتقل کر پائے ہیں ،جسے انھوں نے محسوس کیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ اسی نظمیہ پیش لفظ کے آخر میں انور سن رائے قارئین سے مخاطب ہوکر کہتے ہیں کہ ''یہ نظمیں اگر تمھیں شاعری لگیں /تو یہ شاعری محمود درویش کی ہے'' لیکن اگر ایسا نہ ہو تو ''تو سمجھ لینا ،میں ہوں ایک نااہل فرشتہ /جو پیغام بھول جاتا ہے یا کر دیتا ہے الفاظ میں کچھ ردّ و بدل'' ۔ان باتوں میں انکسار بھی ہے ،اور اس حقیقت کا اظہار بھی کہ محمود درویش کی شاعری کے محسوسات کو جب اردو میں منتقل کرنے کا مرحلہ درپیش آتا ہے تو وہ محسوسات 'خالص' نہیں رہ جاتے :ان میں ملاوٹ ہوجاتی ہے، ردّ و بدل ہوجاتا ہے ،بھول چوک ہوجاتی ہے۔یہ سب نہ تو ارادی ہے ،نہ مترجم کی نارسائی و نااہلی ۔اس کا باعث خود ترجمے کا عمل

ہے ۔ اگر ترجمے سے مراد اصل متن کے اس مکمل مفہوم کی ،کسی دوسری زبان میں منتقلی ہے ،جولسانی اصوات ،لفظوں کی مانوس یا مسخ کی گئی نحوی ترتیب ، ہرزبان اور مصنف کی اپنی مخصوص تمثالوں اور تمثال آفرینی کے طریقوں، خاص طرح کی تلمیحوں،تشبیہوں،استعاروں، زمان ومکاں کو پیش کرنے کے مخصوص لسانی طریقوں سے متعین ہوتا ہے۔۔۔تو یہ ترجمہ ممکن نہیں ۔لہٰذا خود ترجے کے حقیقی مفہوم کو پیش نظر رکھیں توشاعری کا ترجمہ محال ہے۔اس کی وجہ محض یہ نہیں کہ ایک زبان اوراس کی شاعری میں ظاہر ہونے والے شعری تجربات کے کامل اور بے خطا متبادلات ،دوسری زبان میں موجود نہیں ہوتے، بلکہ ترجمہ :ایک زبان کے متن کی ،دوسری زبان میں تفہیم کا عمل ہے۔واضح رہے کہ ایک زبان کے متن کی ،اسی زبان میں تفہیم ،اور ایک زبان کے متن کی کسی دوسری زبان میں ،اوراس کے ذریعے تفہیم میں کافی فرق ہے۔ایک زبان کے متن کواسی کی زبان میں سمجھنے کا عمل اپنی اصل میں تشریح ہے،یا مضمر کو واضح کرنا ہے ،یعنی ایک طرح سے' معلوم' کی توسیع ہے ،جب کہ کسی دوسری زبان میں سمجھنے کا عمل ،تعبیر ہے،ایک تقریباً 'نامعلوم' کی ایک نئی اور اپنی طرح کی وضاحت ہے۔یہی وجہ ہے کہ ایک ہی متن کے جتنے بھی تراجم کیے جائیں گے ،وہ سب ایک دوسرے سے مختلف ہوں گے؛وہ ایک متن کی ایک سے زیادہ تعبیریں ہوں گی (یہ معروضات لکھنے سے پہلے میں نے انورسن رائے اور فاروق خالد کے محمود درویش کے تراجم کا تقابل کیا،اور یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ ایک ہی نظم مثلاً عاشق من فلسطین کے دونوں ترجمے اس قدر مختلف ہیں کہ لگتا ہی نہیں کہ ان کی بنیاد ایک متن پر ہے)۔چوں کہ یہ 'تعبیریں' مترجم کی صلاحیت، ذوق،ترجیحات وغیرہ سے شدت سے متاثر ہوتی ہیں، اس لیے ان پر مترجم کے گویا دست خط ہوتے ہیں۔بنابریں ترجمے کوتخلیق مکرر بھی کہا جاسکتا ہے۔

عام طور پر ترجمے کو اصل متن کے مقابلے میں ثانوی اور دوسرے درجے کی سرگرمی سمجھا جاتا ہے ۔ اگر اس سے مراد کسی خاص مترجم کے مخصوص ترجمے کے معیار کی طرف اشارہ ہو تو یہ رائے قبول کی جاسکتی ہے،لیکن حقیقت میں ترجمہ ثانوی نہیں۔ ژاک دریدا نے ۱۹۸۳ء میں ایک جاپانی دوست کے نام لکھے گئے خط میں ڈی کنسٹرکشن کے ترجمے کی بابت

بڑے کام کی باتیں لکھی ہیں۔ان میں دو باتیں ایسی ہیں،جو جغرافیے کے معتوب کے ضمن میں بھی اہمیت رکھتی ہیں۔ایک یہ کہ کوئی تصور،جیسے ڈی کنسٹرکشن،کہاں تک قابل ترجمہ ہے؟ایک تصور۔۔۔اور یہاں متن۔۔۔اپنے اندر،اپنے ترجمہ کیے جانے کی کتنی گنجائش،اور کتنی مزاحمت رکھتا ہے؟اسے ہم یوں سمجھ سکتے ہیں کہ ایک زبان میں تشکیل پانے والا (تصوراور)متن،دوسری زبان میں نئے سرے سے آسانی سے تشکیل پاتا ہے،یا نہیں؟یہاں اصل قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ ترجمہ کرتے ہوئے،متن کے ان مقامات کو خصوصاً نشان زد کرنا چاہیے،جو ناقابل ترجمہ ہوتے ہیں۔مختلف مترجم،ان مقامات کو نشان زد تو کر لیتے ہیں،مگر ان سے کیسے معاملہ کرنا ہے، اس کا فیصلہ کرنے میں انھیں دقت ہوتی ہے۔سہل انگار مترجم انھیں چھوڑ کر آگے بڑھ جاتے ہیں ،جب کہ ذمہ دار اور جرأت مند مترجم انھی ناقابل ترجمہ مقامات کے ذریعے،ترجمے کو تخلیقِ مکرر بنانے میں کامیاب ہوتے ہیں۔مت سمجھیے کہ وہ من مانا ترجمہ کرکے،اصل متن کو کچھ سے کچھ بنا دیتے ہیں،اگر کوئی ارادتاً ایسا کرتا ہے تو اسے خیانت کے سوا کیا نام دیا جاسکتا ہے۔اصل یہ ہے کہ وہ اصل متن کے ناقابل ترجمہ مقامات کے اندر اتر کر خود اپنی زبان کی تفہیم وترسیل کے حدود دریافت کرتا ہے۔ (اسی بنا پر)دریدا نے دوسری بات یہ کہی ہے کہ ترجمہ،اصل کے مقابلے میں نہ ثانوی ہے،نہ ماخوذ۔وہ اصل متن کی مانند،مگر اس پر بنایا گیا ایک نیا متن ہے۔شاید اسی سے ملتی جلتی باتیں انورسن رائے صاحب کے پیش نظر رہی ہوں گی،جس کا کچھ ذکر انھوں نے پیش لفظ میں کیا ہے،اور مجھے یہ نظمیں بھیجتے ہوئے تاکید کی کہ انھیں ان کی نظمیں سمجھ کر پڑھا جائے۔انھوں نے وضاحت بھی کی کہ ''جب میں یہ بات کہتا ہوں کہ ان نظموں کو میری نظمیں سمجھا جائے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ میں محمود یا کسی مترجم کا حق اور مقام مارنا چاہتا ہوں،بلکہ اس کے برعکس۔۔۔۔یہ کہہ رہا ہوں کہ اردو میں جو کچھ اچھا اور 'شعری' آسکا ہے ،وہ محمود کا ہے،اور جو غیر شعری اور کمزور لگتا ہے،وہ میری وجہ سے ہے''۔انور صاحب کی آخری بات تو محض انکسار سے کہی گئی ہے،حقیقت یہ ہے کہ اس مجموعے کی نظموں میں جو کچھ اچھا ہے یا کمزور،وہ انورسن رائے کی وجہ سے ہے۔

ترجمے کو مزید واضح طور پر سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ تخلیق اور تخلیقِ مکرر کا فرق سامنے رہے۔ محمود درویش کی عربی نظمیں تخلیق ہیں، اور یہ اردو نظمیں تخلیقِ مکرر ہیں۔ اردو نظموں میں محمود کی نظموں کا متن شامل ہے، لیکن اس طور کہ وہ اردو نظموں میں تحلیل ہو گیا ہے، سرایت کر گیا ہے، اور ایک حد تک گم بھی ہو گیا ہے۔ گویا جب ہم یہ نظمیں پڑھتے ہیں تو ان کے اندر ہم محمود کی نظموں کا عربی یا انگریزی متن نہیں، محمود کی نظموں کا وہ ہیولا دیکھتے ہیں، جسے انور سن رائے کے ترجمے نے خلق کیا ہے۔ صاف لفظوں میں، تخلیقِ مکرر میں اصل تخلیق ہیولے کی صورت باقی رہتی ہے، ایک متوازی، جداگانہ متن کے طور پر نہیں۔ لہٰذا ان نظموں کو محمود درویش کی عربی نظموں یا ان کے انگریزی تراجم کے ثانوی متن یا مثنیٰ کے طور پر نہ پڑھا جائے، بلکہ ایک نئے متن کی صورت پڑھا جائے، جسے انور سن رائے نے تخلیق کیا ہے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ان نظموں کے موضوعات کا نقطۂ ثقل محمود درویش کے بجائے، انور سن رائے بن گیا ہے۔ نقطۂ ثقل تو محمود درویش ہی رہے گا، لیکن اس کی اردو میں ترجمانی کا اسلوب انور سن رائے کا وضع کردہ ہے۔

انور سن رائے تمام نظموں کا نثری ترجمہ کیا ہے۔ وہ خود نثری نظم کے شاعر ہیں، اس لیے یہ بات ان سے اوجھل نہیں رہی ہوگی کہ نثری نظم کی طرح، نثری ترجمہ بھی آسان نہیں ہوتا۔ رواں آہنگ کے بغیر شعریت پیدا کرنا یا برقرار رکھنا کوئی آسان کام نہیں۔ انور سن رائے نے محمود درویش کی نظموں کے صرف خیال، اسمائے معرفہ، جگہوں، درختوں کے نام، ضمائر وغیرہ کو اردو میں پیش کر دینے پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ نظمیہ فضا کو بھی تخلیق کرنے کی کوشش کی ہے۔ نظمیہ فضا ایک طرف شعری تمثالوں سے اور دوسری طرف موقع محل کی مناسبت سے اختیار کیے گئے استفہامیہ، ندائیہ، طنزیہ، انتباہی لہجے اور طرزِ تخاطب سے وجود میں آتی ہے۔ ایک مترجمہ نظم، اصل نظم کے خیال یا واقعے سے پوری طرح وفادار ہو سکتی ہے، لیکن ضروری نہیں کہ وہ ایک اچھی نظم بھی بنی ہو۔ مترجمہ نظم کو ایک عمدہ نظم بھی ہونا چاہیے۔ درج ذیل مثالیں دیکھیے، جنھیں

عمدہ کہا جاسکتا ہے؛ان کی عمدگی صرف خیال کی نہیں، مجموعی نظمیہ فضا کی مرہون ہے، جو سوگوار حوصلگی سے عبارت ہے۔

ماں! کیا ہم سے کوئی غلطی ہوگئی ہے
کیوں ضروری ہے کہ ہم دو بار مریں
ایک بار تو مریں زندگی میں
اور ایک بار زندگی کے بعد

بید کے جنگلو! کیا تمھیں
کیا تمھیں یاد رہے گا کہ وہ
جسے دوسری مردہ اشیا کی طرح
تمھارے اداس سایوں میں پھینکا گیا، ایک آدمی تھا؟
کیا تمھیں یاد رہے گا کہ میں ایک آدمی ہوں؟

(جلاوطنی سے خط)

معدوم ہوتے لفظوں کے درمیان سے گذرنے والو!
تمھاری اور سے تلوار، ہماری طرف سے خون
تمھاری اور سے فولاد
ہماری طرف سے گوشت
تمھاری طرف سے ایک اور ٹینک
ہماری طرف سے پتھر
تمھاری طرف سے آنسو گیس
ہماری طرف سے وہی آنسو اور بارش

ہم پر بھی اور تم پر بھی آسمان
ہمارے لیے بھی اور تمھارے لیے بھی ہوا
اس لیے لے لو ہمارے خون میں سے اپنا حصہ
اور چلے جاؤ
جاؤ چلے جاؤ کسی رقص کی تقریب میں
ہمیں تو ابھی آبیاری کرنی ہے
پھولوں کی ،شہیدوں کی
ہمیں تو ابھی اور زندہ رہنا ہے
جہاں تک بھی ممکن ہو سکے گا

(وہ جو لفظوں کے درمیاں گزرے)

نثری ترجمے میں ایک اور دقت یہ فیصلہ کرتے ہوئے محسوس ہوتی ہے کہ کہاں بیانیہ انداز اختیار کیا جائے، کہاں حروف کا استعمال کیا جائے ،اور کہاں وقفے دیے جائیں۔یہ دقت اس لیے پیدا ہوتی ہے کہ ترجمہ کرتے وقت اپنی زبان میں موجود اظہار کے کئی متبادلات بہ یک وقت ذہن میں آتے ہیں؛ایک لفظ کے کئی مترادف ومتبادل، ایک پیرایہ اظہار کے متبادل ۔ان میں کسی ایک کا انتخاب آسان نہیں ہوتا۔ایک بے محل مترادف ،کسی مصرعے کا بیڑ اغرق کرسکتا ہے ۔تاہم واضح رہے کہ یہ متبادلات بھی اسی مترجم کے ذہن میں آتے ہیں ،جس کا مطالعہ وسیع ہو،زبان پر غیر معمولی دسترس ہو،مگر اس کی نمائش کی عادت نہ ہو۔انورسن رائے نے اس دقت کا سامنا کیسے کیا ہے؟ ذرا یہ ٹکڑا دیکھ کر آپ خود فیصلہ کیجیے۔دیکھیے کہ کیسے وہ حروف، ضمائر،استفہام کے برمحل استعمال ،اور مصرعوں کے چھوٹا بڑا رکھنے سے نظم کو حسین بناتے ہیں۔

تم میرے ملک کے بارے میں جاننا چاہتے ہو؟
اور یہ کہ کیا ہے اس کے اور میرے درمیان؟
میرا ملک ہے زنجیروں میں ہونے کی مسرت

ایک بوسہ جسے ڈاک سے بھیجا گیا

اور میں

اس ملک سے، جس نے مجھے ذبح کیا

اپنی ماں کا رومال

اور اس نئی موت کا صرف ایک جواز چاہتا ہوں

(دورخزاں میں دھیمی بارش)

O

اردو کے پس نو آبادیاتی عہد کوخود اپنے تضادات سے عہدہ برا ہونے کی غرض سے مزاحمت کی مقامی اور عالمی علامتوں کی ضرورت تھی۔سنتالیس سے شروع ہونے والا یہ عہد ایک طرف برطانوی نو آبادیاتی تشکیلات کے رڈ کی کوششوں میں مصروف تھا،اور دوسری طرف،دولت مشترکہ کا حصہ تھا،اور تیسری طرف ایک نئے نو آبادیاتی نظام(دوسری عالمی جنگ کے خاتمے کے بعد جسے امریکا نے شروع کیا) کی گرفت میں بھی آیا ہوا تھا۔مقامی سطح پر فیض مزاحمت کی سب سے بڑی علامت بنے،اور پھر ان کے ساتھ ترکی کے ناظم حکمت، چلی کے پابلو نرودااور فلسطین کے محمود درویش۔اس فہرست میں ہسپانوی لورکا کو بھی شامل کیا جاتا رہا ہے۔ دل چسپ بات یہ ہے کہ ان میں سے اکثر کے باہمی شخصی مراسم بھی تھے،اور وہ روسی اشترا کی تصورات سے متاثر تھے۔ دوسرے لفظوں میں سرد جنگ کے دنوں میں امریکی سرمایہ داریت کے خلاف عالمی اشترا کی مزاحمت میں یہ شعرا شامل تھے۔ان میں سے بیشتر نے جیل کاٹی اور جلاوطنی کا سامنا کیا تھا۔اردو میں فیض، ناظم ،درویش اور نرودا پس نو آبادیاتی مزاحمت کی علامت بنے ہیں۔جیسا کہ اس طرح کی علامت سازی میں ہوتا ہے،بعض اہم امتیازات اور تضادات چھپ جاتے ہیں ،یا نظر انداز کردیے جاتے ہیں۔ایک حد تک یہ درست ہے کہ اردو میں ناظم

حکمت، نزودا اور محمود درویش کی نظموں کے تراجم کی مقبولیت کا بڑا باعث مذکورہ صورتِ حال سمجھی جاسکتی ہے،لیکن ان شعرا میں بعض بنیادی نوعیت کے امتیازات بھی ہیں۔خاص طور پر محمود درویش کی مزاحمت ،دیگر شعرا سے مختلف ہے،جس کا ذکر ہم آگے چل کر کریں گے،اور اس خصوصی امتیاز کو اردو میں بہت کم توجہ ملی ہے۔ایک بات بہ ہر حال توجہ طلب ہے کہ مذکورہ شعرا میں سب سے زیادہ ترجمے غالباً محمود درویش کے ہوئے ہیں۔اس کی وجہ فلسطین ہے، جہاں قبلہ اوّل ہے۔درویش کی شاعری کو امت مسلمہ کی آزادیِ فلسطین کے لیے کی جانے والی جدوجہد کا اہم حصہ سمجھا گیا ہے۔ مسلمان محمود درویش کے ساتھ ساتھ عیسائی ایڈرورڈ سعید کی فلسطین کے لیے جدوجہد انھیں پاکستانی اردو ادیبوں میں غیر معمولی طور پر مقبول بناتی ہے۔

محمود درویش (۱۹۴۲ء۔۲۰۰۸ء) کی شاعری کو محبت اور جلاوطنی کی شاعری کہا گیا ہے۔اردو میں ان کی شاعری کے تراجم کرتے ہوئے ،زیادہ تر انھی نظموں کو پیش نظر رکھا جاتا ہے ،جن میں اپنی سرزمین سے محبت ،اور اس سے جلاوطنی کے دکھ کو پیش کیا گیا ہو۔نظموں کے ترجمے کے اسلوب میں بھی انھی دو موضوعات سے متعلق اردو کے استعاروں کو زیادہ سے زیادہ پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ ابھی گزشتہ برس فاروق خالد نے محمود درویش کی ۷۷ نظمیں اردو میں ترجمہ کی ہیں۔کتاب کا عنوان اپنی زمین کی تلاش رکھا ہے،اور زیادہ تر فلسطین کی محبت اور فلسطین سے جلاوطنی سے متعلق نظمیں منتخب کی گئی ہیں ۔ انورسِن رائے نے کتاب کا عنوان جغرافیے کے معتوب منتخب کیا ہے۔ اس عنوان میں بھی ایک حد تک درویش کی نظموں کے اسی مفہوم کو سامنے رکھا گیا ہے ،جو ایک طرح سے سٹیریوٹائپ بن چکا ہے(معتوب کے عنوان سے کتاب میں نظمیں بھی موجود ہیں۔فاروق خالد نے معتوب کی جگہ کشتۂ ستم کی ترکیب استعمال کی ہے،جس میں شعریت ہے، مگر جو متشددانہ کرب لفظ معتوب میں وہ کشتۂ ستم میں نہیں)۔سوچنے والی بات یہ ہے کہ کیا درویش کی شاعری میں سٹریوٹائپ بننے کی طرف میلان موجود ہے ،یا ہم اردو والوں نے ابتدا ہی سے ،درویش کو سرد جنگ میں ترقی پسندی اور وطن پرستی پر مبنی مزاحمت کا نمائندہ سمجھ کر ،اس کی شاعری کو سٹیریو ٹائپ مفہوم میں مقید کردیا ہے؟ مزاحمتی شاعری کے ضمن

میں عام طور پر سٹریوٹائپ کا سوال دبا دیا جاتا ہے، کیوں کہ مزاحمت: غیر مبہم، غیر مشتبہ، غیر معمائی ، مانوس مزاحمتی استعاروں سے عبارت اسلوب میں ظاہر ہوتی ہے۔

انورسن رائے نے اس کتاب میں محمود درویش کی شاعری سے متعلق، اردو میں رائج ہونے والے سٹیریوٹائپ تصور کو بدلنے کی کوشش کی ہے۔ انھوں نے یہ کام نظموں کے انتخاب اور ترجمے کے خصوصی انداز سے کیا ہے۔ درویش کی فلسطین سے محبت غیر معمولی اور مثالی ہے، اور اس کی تحسین سب نے کی ہے، اور انورسن رائے نے بھی کئی ایسی نظمیں ترجمہ کی ہیں، جن میں یہ خصوصیت ظاہر ہوئی ہے لیکن اس پہلو کو بہت کم اجاگر کیا گیا ہے کہ درویش فلسطین پر صرف عرب مسلمانوں کا حق نہیں سمجھتے ۔ اسرائیل کی اشتراکی پارٹی کو دیے گئے درویش کے ایک انٹرویو کا ترجمہ، محمد کاظم نے کوئی تین دہائیاں پہلے کیا تھا، اور جوان کی کتاب عربی ادب میں مطالعے میں شامل ہے۔ اس انٹرویو میں درویش واضح الفاظ میں کہتے ہیں کہ ان کا نقطہء نظر ہے کہ ''فلسطین میں یہودیوں اور عربوں دونوں کو رہنے کا حق حاصل ہے''۔ وہ بعد میں بھی اس پر قائم رہے۔ ایک طرف یہ درویش کا سیاسی نظریہ ہے، اور دوسری طرف ان کی شاعری کا ایک اہم موضوع۔ یہ سیاسی نظریہ انھیں تشدد اختیار کرنے سے باز رکھتا ہے، اور برداشت کو فروغ دیتا ہے، نیز مکالمے کی راہ مسلسل کھلی رکھتا ہے، اور شاعری کا موضوع بن کر ان کی زمین سے محبت کو ایک نیا رخ دیتا ہے؛ اس محبت میں 'دوسرے' اور 'غیر' کو بھی شامل کرنے کی گنجائش ہوتی ہے۔ کچھ کچھ یہ موضوع 'وہ جو لفظوں کے درمیاں گزرے' میں بھی آیا ہے۔ انورسن رائے نے درویش کی ایک نظم کا ترجمہ 'فوجی جو سفید سوسن کے خواب دیکھتا ہے' کے عنوان سے کیا ہے۔ اس نظم کا ذیلی عنوان ہے: 'ایک اسرائیلی فوجی سے خیالی گفتگو'، یعنی 'دشمن فوجی' سے بھی مکالمہ کیا جا سکتا ہے (یہاں دہشت گرد سے بدھ کی ملاقات یاد آتی ہے جسے اردو میں آصف فرخی نے ترجمہ کیا ہے)۔ یہ نظم درویش کی شاعری کا ایک نیا رخ، کم از کم اردو میں متعارف کرواتی ہے۔ نظم کا تھیم یہ ہے کہ نظم کا بیان کنندہ اور اسرائیلی فوجی اپنی جلد کے نیچے ایک جیسے ہیں؛ دونوں کو محبوبہ/بیوی، بیٹی، ماں، سوسن کے پھولوں، شاخِ زیتون یعنی امن سے محبت

ہے۔گویا محاذ جنگ پر موجود اسرائیلی فوجی اور ایک فلسطینی مسلمان کچھ بنیادی باتیں مشترک رکھتے ہیں؛ دونوں کے خواب ملتے جلتے ہیں، مگر اختیار سے محروم ہیں۔نظم میں فوج کی زندگی پر طنز بھی کیا گیا ہے۔

محمود، میرے دوست

دکھ ایک ایسا سفید پرندہ ہے
جو میدان جنگ کے قریب بھی نہیں پھٹکتا
فوجی کے لیے دکھ گناہ ہے
وہاں تو میں صرف ایک مشین ہوتا ہوں
جو آگ اگلتی ہے
اور علاقے کو ایک ایسے سیاہ پرندے میں تبدیل کر دیتی ہے
جو اڑ نہیں سکتا

(فوجی جو سوسن کے خواب دیکھتا ہے)

اور تم اب ہماری دہلیز پر کھڑے ہو
آؤ، اندر آجاؤ، ہمارے ساتھ بیٹھو
اور عرب کافی کی چسکیاں لو
[شاید تم بھی محسوس کرنے لگو کہ تم بھی انسان ہو، جیسے ہم ہیں]

(محاصرے کے دوران)

ایک فوجی کا المیہ ہے کہ وہ یہ سب جانتے ہوئے بھی، یہ سب کرنے پر مجبور ہے۔اسی بنا پر جنگ ایک فوجی کو Dehumanise کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتی۔درویش اسرائیلی فوجی کے علاوہ، قید خانے اور محاصرے کے محافظ (گارڈ) سے بھی گفتگو کرتے ہیں۔اس گفتگو سے وہ اس مشترک انسانی عنصر کو سامنے لاتے ہیں، جو الگ الگ قومیتوں، الگ الگ

مذاہب ،اورالگ الگ ذمہ داریوں کے باوجود باقی رہتا ہے۔ یہ مشترک انسانی عنصر: محبت و امن کی طلب،اور بالکل عام طرح کے معمولی احساسات ہیں ،جیسے اکتا جانا،محبوباؤں کو یاد کرنا، انتظار کرنا۔فلسطین پر(یورپی النسل) اسرائیلی قبضے ،اور فلسطینیوں کی اپنے ہی وطن سے مسلسل وتشددانہ بے دخلی کے پس منظر میں اس 'مشترک انسانی عنصر' کی غیر معمولی معنویت ہے،اور درویش کو بعض نقادوں کے یہاں متنازع بھی بناتی ہے۔بہ ہر کیف یوں درویش اِس اور اُس طرف کے عام آدمی کو ایک جیسا دکھاتے ہیں۔ درویش کی ان نظموں میں ان صاحبانِ اختیار کی طرف اشارے بہت کم ہیں،جنھوں نے فلسطین کو جہنم میں تبدیل کیا۔ البتہ ان کے ٹینکوں، بندوقوں، جہازوں ،بارود سے لائی گئی تباہی کے ہولناک مناظر ضرور بیان ہوئے ہیں۔

علاوہ ازیں درویش کی نظموں میں بعض جگہوں پر مستشرقین کی ان اساطیری تشکیلات کو ضرور موضوع بنایا ہے،جن کے مطابق مشرق اور فلسطین کے لوگ کم تر انسانی مرتبے کے حامل ہیں۔ دل چسپ بات یہ ہے کہ یہاں بھی درویش اس مشترک انسانی عنصر کی طرف اشارہ کرتے ہیں، جسے مستشرقین کی اساطیری تشکیلات نے چھپا رکھا ہے۔ درج ذیل ٹکڑا، اس کتاب کے اہم ترین حصوں میں سے ایک ہے۔

چلو فرض کر لیتے ہیں کہ تم ٹھیک ہو
مان لیا کہ میں ایک سست دماغ ،بچگانہ ذہن اور نصف عقل ہوں
یہ بھی فرض کر لیتے ہیں کہ میں کبھی گولف کا اچھا کھلاڑی نہیں بنوں گا
یا جدید ٹیکنالوجی کو سمجھ نہیں پاؤں گا
یا نہیں بن پاؤں گا پائلٹ
کیا ان باتوں سے تمھیں یہ حق حاصل ہو جاتا ہے
کہ تم میری زندگی پر قابض ہو جاؤ
اگر میں کوئی اور ہوتا
اگر تم کوئی اور ہوتے

تو ہم دوست ہو سکتے تھے
ہم اعتراف کر سکتے تھے کہ ہم کتنے احمق ہیں
شائیلاک جیسے بے وقوف، لیکن کیا
بے وقوف دل نہیں رکھتے
انھیں روزی روزگار کی ضرورت نہیں ہوتی
ان کی آنکھیں آنسوؤں سے نہیں بھرتیں؟

(محاصرے کے دوران)

ایڈورڈ سعید نے اپنی عالمانہ تحریروں میں مستشرقین کی وضع کردہ انھی اساطیری شناختوں کی ڈی کنسٹرکشن کی ہے۔فرق یہ ہے کہ سعید، تاریخ، فلسفہ اور تنقید کی مدد سے یہ واضح کرتے ہیں کہ مشرق کی اساطیری شناختیں غیر حقیقی ہیں، اور انھیں نو آبادیاتی عہد کے مخصوص مفاد پرستانہ علم نے پیدا کیا ہے، جب کہ محمود درویش، مستشرقین کی منطق کے اخلاقی جواز پر سوال اٹھاتے ہیں۔درویش یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ فرض کیا یہ مان لیا جائے کہ مستشرقین کی منطق کے مطابق یورپیوں کے مقابلے میں اہل مشرق کاہل اور ست دماغ کے حامل ہیں تو کیا اس سے یورپیوں کو حق حکمرانی مل جاتا ہے؟ اصل یہ ہے کہ اس طرح فرض کرنے ہی سے یورپ کو مشرق پر حکمرانی کا حق ملا۔'بچگانہ ذہن، ست دماغ اور نصف عقل' کی اسطورہ ہی تہذیب وتربیت اور تادیب کے نظام کا جواز پیدا کرتی ہے۔ اس نظم میں بھی محمود درویش مستشرق کو مخاطب کر کے کہتے ہیں اگر اس اسطورہ سے اوپر اٹھ کر دیکھا جائے تو ایک مشترکہ انسانی حماقت کا اعتراف کیا جاسکتا ہے،اور یہ ایک ایسا اعتراف ہے جو بنیادی انسانی ضرورتوں جیسے روٹی روزی اور رونا۔۔۔۔کو تسلیم کرنے کی راہ ہموار کرتا ہے۔محمود درویش کو یہ احساس ہے کہ وہ اپنے معاصر شعرا کی روش سے ہٹ کر چل رہے ہیں کہ وہ 'دشمن' کو دکھ بھی محسوس کرتے ہیں۔''میں ان شاعروں میں آخری ہوں رجو اپنے دشمنوں کی پریشانیوں سے پریشان ہوتے ہیں''۔

محمود درویش کی جلاوطنی سے متعلق نظمیں ایک طرح کی نہیں ہیں۔ کچھ تو سادہ اور بیانیہ ہیں، جن میں فلسطین سے عربوں کی بے دخلی، ان کی ماؤں کی بے حرمتی، ان کے گھروں، ان کے بچوں اور جوانوں کا خون کرنے جیسے واقعات پر دکھ کا اظہار کیا گیا ہے، مگر بعض نظمیں 'علامتی' بھی ہیں، اور اسی مفہوم میں علامتی ہیں جس مفہوم میں جدید عالمی نظم علامتی سمجھی جاتی ہیں، یعنی نئی اور نامانوس لفظیات کو علامت بنانا اور اساطیری حوالے لانا۔ مزاحمتی شاعری کے علامتی ہونے، اور علامتی سمجھے جانے میں کئی مشکلیں ہیں۔ علامت، نظم کو ایک طرح کی لسانی خودمختاری دیتی ہے۔ اس کے نتیجے میں علامتی نظم اس ہدف سے دور ہوجاتی ہے، جس کے خلاف مزاحمت کی جاتی ہے۔ لسانی خودمختاری حاصل کرکے، نظم اپنی وضاحت خود کرنے لگتی ہے، اور قاری کو بڑی حد تک باہر کے سیاسی تناظر سے بے نیاز کرتی ہے۔ محمود درویش کی نظم بھی اس مشکل سے دوچار ہوتی ہے، اور اس کے ترجمے میں انورسن رائے بھی بعض مشکلات کا سامنا کرتے ہیں، لیکن دوسری طرف درویش کی علامتی نظمیں، ان کی شاعری سے متعلق رائج ہونے والے سٹیریوٹائپ تصور کو فسخ کرتی محسوس ہوتی ہیں۔

جغرافیے کے معتوب پڑھتے ہوئے محسوس ہوتا ہے کہ ان نظموں میں نہ صرف جلاوطنی کو ایک اہم استعارہ بنایا گیا ہے، بلکہ شاعر وطن کی محبت سے اٹھ کر دنیا و کائنات کو دیکھنے کی آرزو بھی رکھتا ہے، اور ان کی آخری نظموں میں تو موت ایک اہم علامت بنتی ہے۔ محمود درویش سات سال کی عمر میں جب ایک رات اچانک اپنا گاؤں البروہ چھوڑنے پر مجبور ہوئے تو انھوں نے جلاوطنی کا تجربہ کیا، یعنی اس عمر میں جب وہ اس تجربے کو سمجھنے کے قابل نہیں تھے، مگر جذباتی طور پر اسے شدت سے محسوس کرسکتے تھے اور جب اگلے برس واپس آئے تو ان کا گاؤں صفحۂ ہستی سے مٹ چکا تھا، یہ تجربہ، ان کی جنت ارضی کے عدم موجودگی یعنی Absence کا تھا، اور اس تجربے کے پس منظر میں تشدد، بے رحمی، سفاکی شامل تھی۔ ان کی نظموں میں جلاوطنی کے ساتھ ساتھ عدم موجودگی (جس کا ترجمہ انورسن رائے غیر حاضری کرتے ہیں، جس میں کسی

حقیقی شے کے مٹ جانے سے پیدا ہونے والی کیفیت نہیں آسکی) بھی ایک اہم موضوع ہے۔ درویش کی جن علامتی نظموں کی طرف اوپر اشارہ ہوا ہے، وہ دراصل جلاوطنی اور عدم موجودگی سے تحریک پاتی ہیں۔ دوسرے لفظوں میں وہ جلاوطنی اور عدم موجودگی کو نظم کے متن کی جلاوطنی اور عدم موجودگی میں منقلب کرتے ہیں۔ اصل میں وہ 'باہر' کے سیاسی واقعے کو متن میں تحلیل کرکے، متن کے اندر، متن کے اصولوں کے تحت اسے نیا وجود دے کر، اسے کہیں زیادہ قابل توجہ بنانے میں کامیاب ہوتے ہیں۔ آپ ان کی علامتی نظمیں پڑھیں تو لگے گا کہ ان نظموں کا متکلم، تصور و تجرید کو حسی وجود کے طور پر محسوس کرتا ہے، عدم موجودگی جیسی تجرید کو موجودگی کی طرح محسوس کرتا ہے۔ مثلاً:

ایک شاعر سے

جب غیر حاضری تمھیں چھوڑ جائے

تو تنہائی کی نعمت ڈھونڈنا

کھونے کا جوہر بن جانا

بن جانا خود اپنا موضوع

حاضری کی اعلا ترین شکل ہے غیر حاضری

(محاصرے کے دوران)

'محاصرے کے دوران' اور 'میورال' دو طویل نظمیں ہیں، اور یہی وہ نظمیں ہیں جو محمود درویش کی شاعری سے متعلق رائج ہونے والے دیگر سٹیریو ٹائپ تصورات منسوخ کرتی ہیں۔ ان نظموں میں جلاوطنی کے علاوہ علامت، طنز، پیراڈاکس، ابہام، اساطیر، عدم موجودگی جیسے عناصر آئے ہیں جو جدید نظم کا خاصا ہیں۔ مثلاً یہ مصرعے دیکھیے، جن میں وجودی پیراڈاکس اور طنز بہ یک وقت موجود ہے۔

محاصرہ تب تک اپنی گرفت تنگ رکھے گا

جب تک ہم مطلق غلامی اور اس کے فوائد کے

پوری طرح قائل نہ ہو جائیں
اور یہ اعلان نہ کرنے لگیں کہ
ہم نے انتخاب کی مکمل آزادی سے کام لیا ہے

(محاصرے کے دوران)

محمود درویش کہیں سادہ انداز میں اور کہیں علامتی انداز میں پیراڈاکس سے کام لیتے ہیں۔ظاہر ہے وہی شاعر پیراڈاکس سے کام لے سکتا ہے جو زندگی اور حقیقت کی ایک سے زیادہ ،اور اکثر باہم متضاد سطحوں کا ادراک بہ یک وقت کرسکتا ہو۔ مطلق غلامی کو محسوس کرنا ،غلامی سے آزاد ہونا ہے۔ یہ ایک پیراڈاکس ہے۔ مطلق غلامی میں آدمی ،اس کی شدت ،اس کے قہر،اس کے سب المیوں کو محسوس کرتا ہے تو اس کے جوئے کو اتار پھینکنے کے لیے ہر قدم اٹھانے پر تیار ہوجاتا ہے۔اب ذرا دیکھیے، کس طرح وہ سادہ انداز میں پیراڈاکس سے کام لیتے ہیں۔

ایک بم کہیں قریب ہی پھٹتا ہے
اور ہم کچھ کھانے پینے کے لیے ہوٹل میں داخل ہو جاتے ہیں
مجھے رامبو کی خاموشی پسند ہے
اس کے لفظوں میں افریقا بولتا ہے

(بیروت)

'میورال' ایک غیر معمولی نظم ہے۔ اس میں سرریئلی تیکنیک سے کام لیا گیا ہے۔مختلف ٹکڑوں میں حقیقت اور فنتاسی ،موت اور زندگی،امن اور جنگ ، روزمرہ شعور اور اساطیر ، جیسے تضادات یک جا ہوگئے ہیں۔اس نظم میں نابینا عربی شاعرابوالعلامعری ،عناۃ،گلگامش کا اہم کردارانکیدو کا ذکر آیا ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر اس میں 'عدم موجودگی' کا تصور ہے۔

ایک کتاب کافی نہیں یہ کہنے کے لیے:
میں نے خود کو مکمل غیر حاضری میں حاضر پایا

ہر بار جب میں نے خود کو تلاش کیا، دوسروں کو پایا
اور جب میں نے انھیں تلاش کیا تو مجھے دکھائی دیا صرف اپنا اجنبی وجود
کیا میں اکیلا ہی ہوں ہجوموں کا ہجوم؟

'عدم موجودگی میں خود کو پانے کا پیراڈاکس ایک سطح پر وجودی فلسفیانہ، ایک سطح پر ردِ تشکیلی، اور ایک سطح پر جلاوطنی سے عبارت ہے۔ جس طرح مطلق غلامی، غلامی کو اس کی تمام ممکنہ، اس کی ظاہری وداخلی، اس کی حقیقی مادی اور ممکنہ تخیلی سب سطحوں پر محسوس کرنے سے عبارت ہے، اور یوں مطلق غلامی انتخاب اور اختیار بن جاتی ہے، اسے قبول کرنا یا اسے رد کرنا اختیاری وانتخابی معاملہ ہوجاتا ہے، اسی طرح عدم موجودگی، موجودگی کی تمام صورتوں کی کامل نفی کا تجربہ ہے، اور یہ بھی اختیاری وانتخابی بن جاتا ہے۔ ردِ تشکیلی سطح پر عدم موجودگی، موجودگی کے لیے مؤثر ہوتی ہے، اور موجودگی کو Subvert کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ محمود درویش نے جب اپنے گاؤں، اپنی جنت ارضی کے یکسر غائب ہونے کا تجربہ کیا تو وہ دراصل اپنی حقیقی صورت سے کہیں بڑھ کر، درویش کے دل ودماغ اور تخیل میں 'موجود' ہوگیا؛ وہ اپنی عدم موجودگی میں کہیں زیادہ موجود تھا، یہی کچھ جلاوطنی میں ہوتا ہے، جلاوطن شخص، وطن کے کہیں زیادہ قریب ہوتا ہے۔ (ویسے یہ بات ترجمے کے ضمن میں بھی کہی جاسکتی ہے، کہ اصل متن اپنی غیر موجودگی میں مؤثر ہوتا ہے، اس حد تک مؤثر کہ اصل متن کو Subvert کرسکتا ہے) محمود درویش اپنی نظموں میں ردِ تشکیل اور مابعد جدیدیت کے بعض نکات کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ عدم موجودگی میں موجودگی کا پیراڈاکس نظم 'میورال' میں مسلسل رواں رہتا ہے۔ اس نظم کے بعض حصے موت کو محسوس کر کے لکھے گئے ہیں۔ موت جو جیتے جی محسوس کرنا، سانس لیتے ہوئے مکمل انہدام اور سفید ابدیت کا تجربہ، موجودگی میں عدم موجودگی کا تجربہ ہے۔ موتو قبل ان تموتو۔

کیا ہوسکتا ہوں میں موت میں موت کے بعد؟
کیا ہوسکتا ہوں میں موت میں موت سے پہلے؟

یہ، اور اس طرز کے دیگر مصرعوں کو درویش کی شاعری کا نقطۂ عروج کہا

جاسکتا ہے ،اور ہر نقطہء عروج کی طرح خاتمہ بھی۔ یہ نقطہء عروج ہے ،محمود درویش کی اپنی ہی دنیا سے جلاوطنی اور اپنی ہی دنیا میں جلاوطن کے طور پر زندگی بسر کرنے کے تجربے کا،اور اسی تجربے کے تمام امکانات کا خاتمہ بھی ہے۔درویش کا جلاوطنی کا تجربہ،علامت بن کر اپنی انتہا کو پاتا ہے۔خودموت ،زندگی سے ابدی جلاوطنی ہے۔

امید ہے کہ اس مجموعے کو اہم نظر اس توجہ اور تحسین سے نوازیں گے،جس کا مستحق یہ ہے۔

ناصر عباس نیّر

لاہور، ۹/جون ۲۰۱۶ء

محمود درویش

جغرافیے کے معتوب

زمین تنگ ہو رہی ہے

زمین تنگ ہو رہی ہے،
ہمیں آخری راستے پر دھکیل رہی ہے،
اس میں سے گزرنے کے لیے ہم اپنا ایک ایک عضو الگ کر رہے ہیں
زمین ہمیں جکڑ رہی ہے
کاش ہم گندم ہوتے، اس زمین پر مرتے اور جی اٹھتے،

سوچتا ہوں:
کاش زمین ہماری ماں ہوتی،
ہم پر رحم کھا سکتی،
ہم جاتے اور خوابوں کے ساتھ پتھروں پر نقش ہو جاتے
آئینوں کی طرح، اُن کے چہروں کو دیکھتے،
جنھیں ہمارے بعد، اس زمین کے لیے جان دینی ہے
ہم اُن کے بچوں کی عید پر روتے ہیں
ہم اُن کے چہرے دیکھ رہے ہیں،
جو ہمارے بچوں کو کھڑکیوں سے باہر پھینکیں گے، آخری خلا میں:

ہمارا ستارہ آئینوں کو آویزاں کرے گا
کہاں جائیں گے ہم، وہاں سے،
جہاں سرحدیں ختم ہوجائیں گی؟
کہاں پرواز کریں گے پرندے آخری آسمان کے بعد؟
کہاں سوئیں گے پودے، آخری ہوا میں سانس لینے کے بعد؟
ہم اپنے نام قرمزی دھند سے لکھیں گے
ہم اپنی نظموں کے ہاتھ کاٹ دیں گے
تاکہ اُن کا اختتام ہماری جلد پر ہو
یہیں مریں گے ہم،
اسی آخری راستے میں
اور یہیں ہمارے خون میں نمو پائیں، گے زیتون کے درخت

ہم ایک خواب سے ڈرتے ہیں

ہماری تتلیوں پر یقین مت کرو، ہم ایک خواب سے ڈرتے ہیں
یقین ہی کرنا ہے تو ہماری قربانیوں، ہمارے گھوڑوں کی رسائی
اور شمال کے لیے ہماری خواہش پر کرو

ہم اپنی کھلی ہوئی چونچیں تمھاری طرف اُٹھائے ہیں،
ہمیں گندم کا ایک دانہ ہی دے دو،
ہمیں ہمارا خواب ہی دے دو،

بس اتنا ہی دے دو ہمیں

اس زمین پر ہم نے تمھیں ساحلوں کی پیشکش کی،
جو ایک تصور سے یا ریت میں ایک چٹان پر
دو موجوں کی زنا کاری سے پیدا ہوئے ہوں گے

نہیں، بالکل نہیں،
ہم ہوا کے ایک قدم پر تیرتے ہیں،
ہوا جو ہمارے اندر چلتی ہے

ہم جانتے ہیں، تم نے رکاوٹیں کھڑی کی ہیں،
ہمارے لیے جیلیں بنائی ہیں اور انھیں نارنگیوں کی جنت قرار دیا ہے

ہم خوابوں میں رہتے ہیں،
آہ! تمناؤں کے یہ خواب،
ہم اپنے دن اُن لوگوں سے چراتے ہیں،
جنھیں ہماری داستانوں میں سراہا جاتا ہے

ہم خوفزدہ ہیں، تمھارے بارے میں اور تم سے؛
ہم ایک دوسرے پر کھل چکے ہیں

ہماری بیویوں کے تحمل پر یقین مت کرنا

وہ دو لباس بنائیں گی
اور اپنے بچوں کے لیے ایک گلاس دودھ کی خاطر
اپنے پیاروں کی ہڈیاں تک بیچ دیں گی

ہم ایک خواب سے ڈرتے ہیں
اور اُس کے اور خود اپنے لیے،
خوابوں میں چلے جاتے ہیں،
اوہ! ہمارے یہ خواب، ہماری تکیوں پر یقین مت کرنا

جب شہید سو جاتے ہیں

جب شہید سو جاتے ہیں تو میں جاگ جاتا ہوں،
انھیں پیشہ ور غم گساروں سے بچانے کے لیے
میں اُنھیں کہتا ہوں۔
اب تم ایک ایسے ملک میں جاگو گے، جہاں بادل ہوں گے اور درخت،
جہاں سراب ہوں گے اور پانی بھی
ناقابلِ یقین سانحوں اور مذبح کی 'فاضل قدر' سے محفوظ رہ جانے پر
میں انھیں مبارک دیتا ہوں،
میں ان کا وقت چراتا ہوں تاکہ وہ بھی مجھے چھین سکیں وقت سے
میں سرگوشی کرتا ہوں:
دوستو! اپنے پیچھے ایک دیوار

غسل کے لیے اور ایک رات دستخطوں کے لیے چھوڑ دینا،
تم جہاں کھو گے، میں اس پر تمھارا نام کندہ کر دوں گا
بس اب لمحہ بھر کو سولو،
سولو تھوڑی دیر، ترش انگوروں کے پہلو میں
تا کہ میں تمھارے خواب
تمھارے محافظوں کے خنجروں
اور کتاب کے خاکے کونپلوں سے بچا سکوں
آج کی رات جب تمھیں نیند آئے
تو اُن لوگوں کا گیت بننا جن کے پاس کوئی گیت نہیں
میں کہتا ہوں:
ضرور تمھاری آنکھ ایک ایسے ملک میں کھلے گی،
جسے تم اپنی سرپٹ دوڑتی گھوڑی پر اُٹھالے جاؤ گے
میں سرگوشی کرتا ہوں:
ہماری طرح تمھاری صبح پھانسی کا نامعلوم پھندا نہیں ہوگی

ہمیں خزاں سے محبت کا حق ہے

ہمیں بھی
اس خزاں کے اختتامی دنوں سے محبت
اور یہ پوچھنے کا حق ہے:
کیا اس خزاں میں ایک ایسی خزاں کی گنجائش ہے،

جس کے میدان میں ہمارے جسم کو یلے کی طرح آرام کرسکیں؟
ایک ایسی خزاں جو ہم پر اپنے نقرئی پتوں کو جھکا سکے؟

کاش ہم انجیر کے پتے ہوتے،
کاش ہم ایسے پودے ہوتے
جن پر موسموں کی تبدیلی دیکھنا ممنوع ہوتا
کاش ہم نے جنوب کو خیر باد نہ کہا ہوتا
اور اپنے آبا سے پوچھ سکتے کہ
جب انھیں انیوں کی زد پر جلاوطن کیا گیا
تو انھوں نے کیا پوچھا تھا
شاعری اور اللہ کے نام ہم پر مہربان ہوں!
ہم بھی اپنی حسین عورتوں کی راتوں کو گرمانے کے مستحق ہیں
اور اِس پر بات کرنے کے بھی،
جس نے شمال تک رسائی کے منتظر دو اجنبیوں کی راتوں کو مختصر کردیا
بلاشبہ ہم اسی خزاں کی مہک
اور رات سے ایک خواب کے بارے میں دریافت کرنے کے مستحق ہیں

کیا کوئی خواب بیمار بھی پڑ سکتا ہے
اپنے دیکھنے والوں کی طرح؟

خزاں، اے خزاں، کیا کوئی گلوٹین پر بھی پیدا ہوسکتا ہے؟
ہم بھی اپنی مرضی کی موت کے مستحق ہیں،

چھپ جانے دو زمین کو گندم کی بالی میں!

اور وہ کفن میں لوٹا

(وہ جہنم سے موت کی طرف بھاگ رہا ہے)

ہمارے ملک میں ایک قصہ ہے
جو بیان کیا جاتا ہے بڑے دُکھ سے
کیسے میرا ایک ساتھی دور گیا
اور کیسے لوٹا وہ کفن میں لپٹا

اس کا نام تھا... رہنے دو
اس کے نام کو ہمارے دلوں میں ہی چھوڑ دو
نام کو مت بکھرنے دو ہوا میں راکھ کی صورت
اُسے زخم ہی رہنے دو، رِستہ ہوا زخم
اُس پر ایک پٹی بندھی ہے
جس پر کبھی نہیں کھلے گا
زخم میں داخل ہونے کا راستہ
مجھے ڈر ہے میرے دوستو
یتیمو! مجھے ڈر ہے
مجھے ڈر ہے کہ ناموں کی اِس بھیڑ میں، ہم اُسے بھول جائیں گے
مجھے ڈر ہے کہ یہ پگھل جائے گا سردیوں کے طوفان میں

مجھے ڈر ہے کہ ہمارے اپنے ہی دلوں میں سو جائیں گے
خوابیدہ ہو جائیں گے، ہمارے زخم،
مجھے ڈر ہے

(۲)

اُس کی عمر، ایک غنچہ
جس کی یادداشت میں کوئی بارش نہیں
جو چاند کی بالکنی میں کبھی نہیں رویا
نہ تو اس نے کسی عاشق کی بے خوابی میں وقت کا راستا روکا
اور نہ ہی کاہلی میں اپنے ہاتھوں کو دیوار سے لٹکایا
اُس کی آنکھوں نے کبھی نہیں کیا ہوس کے فلیمنٹ کا پیچھا
نہ تو اس نے کبھی چوما کسی خوبصورت لڑکی کو
اور نہ ہی اُسے علم تھا عاشقوں کی باتوں کا
لیکن وہ جانتا تھا ایک معروف گلوکار کے وہ گیت
جن میں امید کی شکست تھی
سوائے دو بار کے
اُس نے کبھی کسی حسین لڑکی سے نہیں کہا: میری ہو جاؤ!
اُسے مڑ کر نہیں دیکھا کسی لڑکی نے
کچھ نہیں ملا اُسے
ایک ترچھی نظر کے سوا
لڑکا جوان تھا

اُس نے راستہ ہی چھوڑ دیا
اور پھر کبھی نہیں جانے دیا دماغ کو ایسے کسی راستے کی طرف

(۳)

ہمارے ملک میں ایک قصہ ہے
جو بڑے دکھ سے بیان کیا جاتا ہے
کیسے میرا ایک ساتھی دور گیا
اور کیسے وہ لوٹا کفن میں لپٹا
جب اُس کے پاؤں دروازے سے دور ہو رہے تھے
تو اس نے ماں سے نہیں کہا: خدا حافظ
اس نے تو اپنے پیاروں اور ساتھیوں تک سے یہ نہیں کہا:
کل ملیں گے
کوئی خط بھی نہیں چھوڑا اس نے
(جیسے رسماً چھوڑتے ہیں کچھ جانے والے)
یوں ہی صرف یہ کہنے کے لیے: میں لوٹوں گا
کوئی پیغام نہیں چھوڑا اس نے
اپنی ماں کی راتیں روشن کرنے کے لیے
جو رات رات بھر آسمان سے التجائیں کرتی
اور کہتی ہے:
اے، اُس کے بستر کے تکیے!
اے، اس کے کپڑوں کے صندوق!

اے، رات!، اے، ستارو!، اے خدا! اے، بادلو!
کیا تم نے بھی کسی ایسے بھٹکتے ہوئے کو نہیں دیکھا
جس کی آنکھیں دو ستارے ہوں
جس کے ہاتھ میٹھی تلسی کی دو ٹوکریاں ہوں
جس کا سینہ ہو چاند اور ستاروں کا تکیہ
ہوا اور پھولوں کے لیے ایک جھونکا ہوں جس کے بال
کیا تم نے کسی ایسے مسافر کو دیکھا ہے
جس میں مسافرت کی خُو بُو تک نہ ہو
جس کے پاس روٹی کا چورا تو کیا تھیلا تک نہ ہو
اگر اُسے راستے میں بھوک لگے گی
تو کون دے گا اُسے کھانے کو
کیوں کوئی ترس کھائے گا ایک نوجوان پر
میں رستے کے خطروں سے پریشان ہوتی ہوں
ٹکڑے ٹکڑے ہو رہا ہے میرا دل، میرے بچے!

اے رات! اے ستارو!
اے راستے!، اے بادلو!
اِسے بتا دو کہ تم اُس کی باتوں کا جواب نہیں لا سکو گے
اُسے صبر نہیں آئے گا،
طویل عرصے تک وہ اٹھائے گی صرف تکلیف
اس لیے... اس لیے کہ وہ مر چکا ہے
وہ مر گیا، وہ جوان تھا اور نا تجربہ کار

(۴)

اے ماں! اپنے آنسوؤں کو مت اکھاڑ
آنسوؤں کی بھی جڑیں ہوتی ہیں اے ماں،
جو شاموں سے باتیں کرتی ہیں
وہ پوچھتی ہیں: کس راستے سے آئے ہیں
تمھارے قافلے؟

موت کے راستے تو پُر ہجوم ہو جاتے ہوں گے
جب مسافر انھیں بند کر دیتے ہوں گے؟
بند کر دیے جاتے ہوں گے
اداسی کے بغلی راستے بھی

کاش، کاش تم دو پل کو رکی ہوتیں
صرف دو پل، تم نے ہمارے ماتھے
اور آنسوؤں سے بھری آنکھیں پونچھی ہوتیں
تا کہ تم نشانی کے طور پر ہمارے آنسو
ان تک لے جاتیں جو مر گئے
ہم سے پہلے
ہمارے محبوب پناہ گزین جنھیں موت کے بعد
ایک یادگار اور ایک نشانی کے طور پر
پینے کے لیے، ہمارے آنسو دیے گئے

اے ماں! اپنے آنسوؤں کو جڑوں سے مت اکھاڑ
دو آنسو چھوڑ دے دل کے کنویں میں
شاید کل اُس کا باپ مر جائے
یا اس کا بھائی
یا میں... اُس کا ساتھی
کچھ تو بچا رکھ
ان کے لیے جو مر سکتے ہیں کل
صرف دو آنسو، دو آنسو صرف

(۵)

ہمارے ملک میں بار بار بتایا اور دہرایا جاتا ہے
یہ قصہ
میرے دوست کے بارے میں
جو کچھ بھی لوگوں کو معلوم ہے
کیسے گیا اور کیسے وہ لگا وقت کے ہاتھ
کیسے گولیوں کی بوچھاڑ نے
اُس کے گالوں، اُس کے چہرے
اور اُس کے سینے کو داغ دار کیا

چھوڑ دو اب اِسے

میں نے اس کا زخم دیکھا ہے
میں اُس کے زخم کی سرحدوں میں پھرا ہوں
'مجھے اپنے بچوں کا ڈر ہے'
مجھے پنگھوڑوں سے لپٹی ہر ماں کا ڈر ہے
اے، دور جا مرنے والوں کے ساتھیو!
مت پوچھو، کہ وہ کب لوٹے گا
مت پوچھو بار بار یہی ایک سوال
پوچھنا ہے تو پوچھو: کب جاگیں گے ہم؟

مجھے پیدا کرو ایک بار پھر

پیدا کرو، مجھے ایک بار پھر کہ میں جان سکوں،
کس زمین پر مروں گا
اور کہاں سے شروع کروں گا،
ایک نئی زندگی

سلام،
سلام ہو تم پر صبح کی آگ جلانے والو،
سلام، سلام ہو تم پر

کیا آج بھی دراز ہیں تمھارے بال،
ہماری عمروں اور بادلوں کے اُن درختوں سے بھی دراز،

جو میری زندگی کے لیے
آسمانوں کو کھینچ کر تم پر پھیلا دیتے ہیں؟

پھر پیدا کر، ایک بار پھر مجھے پیدا کر،
تا کہ میں تیرے پستانوں سے اس ملک کا دودھ پی سکوں
اور ہمیشہ کے لیے تیری گود میں سما سکوں
ایک شیر خوار کی طرح

بہت کچھ دیکھ چکا ہوں،
اب پھر، ایک بار اور پیدا کر مجھے،
تا کہ ایک بار پھر تو مجھے اپنے ہاتھوں پر اُٹھا سکے

ماں! کیا آج بھی جب تجھے مجھ پر پیار آتا ہے
تو تو گاتی اور بن بات روتی ہے؟

ماں!
میں نے ایک سراب عورت کی کمر پر ہاتھ رکھے
اور اپنے ہاتھ کھو دیے،
میں ریت سے ہم آغوش ہوتا ہوں
اور ایک سائے سے گلے ملتا ہوں،
پھر بھی، کیا میں لوٹ سکتا ہوں،
تیری طرف،

خود اپنی طرف؟
ایک ماں تمھاری ماں کی بھی ہے

باغ کے پاس انجیر کے درخت ہیں
اور انجیر کے درختوں کے پاس ہیں بادل
مت کرو مجھے تنہا اور بے ثبات،
مجھے اپنا ہاتھ دو
میں اپنے دل کو پکڑنا چاہتا ہوں،
ترس گیا ہوں میں، تیری آواز کی روٹی کے لیے
ترس رہا ہوں ہر چیز کے لیے،
تیرے لیے اور خود اپنے لیے
اگر ایک بار پھر...

اگر ابتدا میرے بس میں ہوئی

ایک بار پھر،
اگر ایک بار پھر آغاز مجھے کرنا پڑے
تو میں سب کچھ وہی کروں گا جو میں نے پہلے کیا تھا:
ایک بار پھر میں فصیل پر کھلنے والے گلابوں کا انتخاب کروں گا
انھی راستوں پر چلوں گا ایک بار پھر،
وہ مجھے قرطبہ لے جائیں یا نہ لے جائیں

انھی دو چٹانوں پر پھیلاؤں گا میں اپنا سایا،
جہاں میرے سائے کی شاخ پر
بے گھر پرندے گھونسلے بنانے آئیں گے

اگر باداموں کی مہک گرد آلود بادلوں پر سفر کرے گی،
یا تھک کر پہاڑ کے قدموں ہی میں رک جائے گی،
تو میں اپنے سائے کو نہیں جانے دوں گا
اس مہک کے تعاقب میں

آؤ، میرے قریب آؤ اور میری بات سنو؛
میری روٹی اور شراب میں شریک ہو جاؤ
اور بید کے تھکے ہوئے درخت کی طرح
مجھے مہ و سال کے راستے میں چھوڑ کر مت جاؤ

میں ایک ایسے ملک سے محبت کرتا ہوں
جو کبھی وداع کے گیت کی چاپ نہیں سُن سکا
اور نہ ہی کبھی نخو اور عورت کے احترام میں جھکا ہے

میں اُس عورت سے محبت کرتا ہوں
جو اپنی خواہشوں میں اُن گھوڑوں کو چھپاتی ہے
جو سرحدوں کے اختتام پر مرتے ہیں

اگر مجھے لوٹنا ہی پڑا،
تو میں ان گلابوں کی طرف لوٹوں گا،
اپنے انھی قدموں کی طرف
لیکن کبھی قرطبہ نہیں جاؤں گا، واپس

آدمی کے بارے میں

یہ جس کے منھ پر تالا لگا دیا گیا ہے
جسے موت کی چٹان سے زنجیر کر دیا گیا ہے
جسے کہا جا رہا ہے: تم قاتل ہو

جس کی روٹی چھین لی گئی
جس کے کپڑے اتار لیے گئے
جسے محروم کر دیا گیا شناخت سے
اور پھینک دیا گیا موت کی کوٹھڑی میں
جس کی فردِ جرم میں لکھا گیا: لٹیرا

جس پر تمام بندرگاہیں بند کر دی گئیں
جس کی محبوبہ کو اغوا کر لیا گیا
جس سے کہا گیا: تم ہو پناہ گیر

خون آلود آنکھو اور ہاتھو، سنو
رات گذر جاتی ہے
نہ تو ہمیشہ رہتی ہیں حراستی کوٹھریاں
نہ ہی زنجیروں کی کڑیاں

نیرو مر گیا
لیکن روم وہیں ہے جہاں تھا
روم نے یہ جنگ اپنی آنکھوں سے لڑی ہو گی

شاعری کے بارے میں

(۱)

کل ہم نے بادل پر ایک گیت گایا
ایک ستارے کے لیے اور ایک چاند کے لیے
جو ستارے کے قریب تھا
اور ہم آنسوؤں میں ڈوب گئے

کل ہم نے انگوروں کے کنج اور چاند سے بدکلامی کی
اور اجل
اور عورتوں کی خوشامد کی

وقت ہو چکا تھا لیکن خیام کا پینا جاری تھا
اس کے گیتوں کی خواب آور تھاپ پر بھی
ہم رنجیدہ ہی رہے

میرے ساتھی شاعرو!
ہم ایک نئی دنیا میں رہتے ہیں
مرچکا رفتہ، اب کون لکھے گا ایسی نظم
آندھیوں اور ایٹم کے اس دور میں
جو پھر سے نبیوں کو پیدا کر دے

(۲)

کاش یہ نظمیں
کسی محنت کش کے ہاتھوں میں تیشہ ہوتیں
دستی بم ہوتیں کسی لڑاکے کے ہاتھ میں
اگر یہ نظمیں ہوتیں...
اگر یہ نظمیں ہوتیں
کسانوں کے ہل
کوئی قمیض، کوئی دروازہ، کوئی چابی
اگر یہ نظمیں

کسی شاعر کا کہنا ہے:

جب تک میری نظمیں
میرے دوستوں کو خوش کرتی ہیں
اور میرے دشمنوں کو اپنے بال نوچنے پر مجبور کرتی ہیں
میں شاعر ہوں
اور میں کہتا رہوں گا نظمیں

(۳)

ہماری نظموں کا
نہ تو کوئی رنگ ہے اور نہ ذائقہ
اور نہ آواز
اگر وہ چراغ لے کر
گھر گھر نہیں جا سکتیں
اگر وہ سادہ دلوں سے کلام نہیں کر سکتیں
تو اچھا یہی ہے کہ انھیں ہوا میں ہوا ہو جانے دیں
اور چپ چاپ سوئے رہیں سردیوں کی نیند

ایسی ہی کسی نظم میں

ایسی ہی کسی نظم میں،
ایک خواب کے ذریعے،
اُس سردار کے تابوت کو آرام دہ کیا گیا،

جو فتح مندی میں
اپنی آخری قمیص اور اُس آخری دروازے کی چابی لہرا رہا تھا،
جس میں سے ہم، پہلے سمندر میں داخل ہوں
خوش آمدید، میرے مکاں کے لامکاں دوست
سلامت رہیں تیرے پاؤں اور وہ گڈریے
جو اس زمین پر تیری آنکھوں کے نشان فراموش کر دیں
سلامت رہیں ترے بازو،
اور ایک بار پھر بھٹ تیتر یہاں اُڑتے پھریں
سلامت رہیں تیرے لب
اور میدان میں سجدہ ریز دُعائیں،
کیا کہا جائے گا
تیری آنکھوں میں روشن اِن شعلوں کے بارے میں
اور کیا کہے گی تیری یہ غیر موجودگی
تیری ماں سے: تم چشمے میں سو رہے ہو

کیا کہیں گے حملہ آور؟
ہم نے پانی کے شہر میں آواز کو مفتوح کیا
کیا زندگی پوچھے گی محمود درویش سے:
تم نے عشق کیے؟
تم زندہ رہے؟
اور اب تمھارے پیاروں میں کون ہے جو زندہ ہے؟

کیا ایسی ہی کسی نظم میں
ہم نے اُس خواب کو آرام دہ کیا،
جو فتح مندی کا نشان اور آخری دروازے کی چابی اٹھائے تھا؟
تا کہ اگر وہ ہم سے اُس نظم کو چھین کر قید کر سکے
تو پھر بھی باقی رہیں ہم

ایک جپسی گیت

راستہ صاف اور دکھائی دیتا ہے
ایک لڑکی
چاند کو روشن کرنے گھر سے نکلتی ہے
اور ملک ہے کہیں دور
ملک جس کے آثار تک نہیں

خواب نمکین ہے
ایک آواز
چٹان میں کمر کا خم تراشتی ہے
جا میری محبت،
جا میری پلکوں اور گٹار کے تاروں پر چل

چاند لٹا ہوا ہے

خامشی

ہوا اور بارش کو توڑتی ہے
اور درخت کاڑھتے ہاتھوں میں
دریا کو ایک سوئی میں تبدیل کر دیتی ہے

ایک تیرتی دیوار
اور ایک گھر
دیکھتے ہی دیکھتے
معدوم ہو جاتے ہیں
ممکن ہے، وہ ہمیں مارنے میں کامیاب ہو جائیں
اور یہ بھی کہ اسی راستے میں کہیں کھو جائیں

ایک ملامت بھرا زمانہ
اور ایک موت
جنھیں گذرتے ہوئے ہماری طلب ہوتی ہے

اب ہر شے ختم ہو چکی ہے
ہم دریا کے قریب پہنچنے والے ہیں
جپسیوں کا گیت یہاں ختم ہوتا ہے
تھک گئے ہیں سفر کرتے کرتے

صاف اور واضح دکھائی دیتا ہے راستہ

ایک لڑکی
میرے جسم کی دیوار پر
تصویریں لگانے کے لیے نکلتی ہے
میرے خیمے میں
کہیں دور
خیمے جن کے آثار تک نہیں

ریٹا اور میری آنکھوں کے درمیان

ریٹا اور میری آنکھوں کے درمیان ہے ایک بندوق
جو بھی ریٹا کو جانتا ہے
وہ ضرور دوزانو ہوگا
اور اس کی شہد رنگ آنکھوں کے لیے
کسی الوہیت سے دعا مانگے گا

میں نے ریٹا کو چوما تھا جب وہ جوان تھی
مجھے یاد ہے
کیسے وہ آئی تھی قریب
اور کیسے میرے بازوؤں نے اس کے گندھے ہوئے بالوں کو حلقہ کیا تھا
مجھے آج بھی ایسے یاد ہے ریٹا
جیسے پرندوں کو اپنی جھیل یاد رہتی ہے

ہمارے درمیان ہیں لاکھوں چڑیاں، ایک تصویر
ان گنت ملاقاتوں کے لیے طے وقت
جس پر گولیاں برساتی ہے بندوق

ریٹا کا نام میرے ساتھ تھا، میری زبان پر
ریٹا کا جسم میرے خون میں شادی کی ضیافت تھا
دو سال، پورے دو سال میں ریٹا میں کھویا رہا
دو سال وہ میرے بازو پر نیندیں کرتی رہی
ہم نے خوبصورت پیالوں پر پیمان کیے
اور اپنے ہونٹوں کی شراب میں جلتے رہے
ایسے پیدا ہوئے ہم ایک بار پھر
آہ ریٹا

اے شام کی خاموشی!
اس بندوق سے پہلے
نیند کے دو جھونکوں کے سوا
کیا تھا جو اُس کی آنکھوں سے
اُن شہد رنگ بادلوں سے
میری آنکھوں کو ہٹا سکتا تھا

ایک صبح میرا چاند شہد رنگ آنکھوں میں

کسی دور دراز مقام کو ہجرت کر گیا
شہر خالی ہو گیا تمام گائیکوں اور ریٹا سے
اور اب
ریٹا اور میری آنکھوں کے درمیان رہتی ہے
ایک بندوق

دوسروں کی طرح سفر

ہم بھی دوسروں کی طرح سفر کرتے ہیں
لیکن پہنچتے نہیں کہیں بھی،
جیسے بادلوں کے راستے پر ہوں

بادلوں کی تاریکی میں دفن کیا
ہم نے اپنے پیاروں کو،
درختوں کی جڑوں کے درمیان

ہم اپنی بیویوں سے کہتے ہیں:
صدیوں تک اور صدیوں تک
پیدا کرو ہم جیسوں کو
تاکہ ہم اس سفر کو مکمل کر سکیں
ناممکن کے فاصلے پر واقع

ملک تک رسائی کی گھڑی سے کچھ پہلے

ہم مناجات کی گاڑیوں میں سفر کرتے ،
نبیوں کے خیموں میں سوتے
اور خانہ بدوشوں کے مکالموں میں پیدا ہوتے ہیں

ہُدہُد کی چونچ سے فاصلوں کو ناپتے
اور نغموں سے چاندنی کو صاف کرتے ہیں

تمھارا راستہ طویل ہے،
کاندھوں پر لدی اس طویل مسافت کو کاٹنے کے لیے
خواب دیکھو، سات عورتوں کا خواب

کھجوروں کو جھنجھوڑو
اُن کے ناموں کو جاننے کے لیے
اور یہ جاننے کے لیے کہ
اُن میں کون کون عظیم بیٹے کی ماں ہوگی

ہمارے پاس لفظوں کا ملک ہے،
اس لیے بات کرو،
بولو
کہ میں اپنے پتھریلے راستے پر نشان رکھ سکوں

ہمارے پاس لفظوں کا ملک ہے،
اس لیے بات کرو، بولو
شاید اسی طرح ہم جان سکیں
اپنی مسافرت کی حدود،
اپنے سفر کی انتہا

ہم ایک ملک کو جانتے ہیں

ہم ایک ملک کو جانتے ہیں
جو ہمارے گوشت سے نہیں بنا،
جس کے شاہ بلوط ہماری ہڈیوں سے نہیں اُٹھے

نہ تو اُس کے پتھر
پہاڑی نغموں کی بکریاں ہیں اور نہ ہی
اُس کے کنکروں کی آنکھیں
سوسن کے پھول

ہم ایک ملک کی طرف جا رہے ہیں
جو ہم پر کوئی خصوصی سورج
طلوع نہیں کرے گا

اساطیری عورتیں ہمارے لیے تالیاں بجاتی ہیں،
ایک سمندر ہمارے ساتھ ہے
اور ایک سمندر ہے ہمارے مقابل

اگر تم پر بند کر دیے جائیں گندم اور پانی
تو ہمارے آنسو پینا
اور ہماری محبت کھانا

شاعروں کے لیے سیاہ نقاب ہیں
تو ہماری آوازوں کو اٹھائے گی
مجسموں کی ایک قطار
جنھیں چٹانوں سے تراشا گیا ہوگا
اور ہماری روحوں کو
وقت کی گرد سے بچانے کے لیے
ایک سخت زمین ہے،
گلاب ہیں ہمارے ساتھ
اور گلاب ہیں ہمارے مقابل

تمھارے لیے عظمت کچھ اور ہے
اور ہمارے لیے کچھ اور،
اور یہ ملک
جس میں ہم ان دیکھے کو دیکھتے ہیں،

ہمارا راز ہے
ہمیں ہی ملے گی عظمت،
اُن راستوں کی چبائی ہوئی ٹانگوں پر رکھا ہوا تاج،
جو ہمیں کہیں بھی لے جا سکتے ہیں
ہمارے گھر کے سوا

اپنی روح:
اپنے آپ ہی میں ڈھونڈنی ہوگی ہمیں اپنی روح
یا مرنا ہوگا یہیں کہیں
ہم یہاں ہیں، جہاں سے قریب ہے
جہاں سے قریب ہے
تیس دروازوں والا خیمہ
ہم یہاں ہیں،
جہاں پتھروں اور سایوں کے درمیان ہے
ایک جگہ

ایک جگہ آواز کے لیے،
ایک جگہ آزادی کے لیے
یا ایک جگہ جو اچانک گری ہو گھوڑی کی پشت سے
اور پھیلی ہو گھنٹی یا اذان سے

ہم یہاں ہیں

اور لمحے بھر میں اڑا دیں گے اس حصار کو،
لمحے بھر میں آزاد کر دیں گے ایک بادل
ہم اپنے اندر سفر کریں گے،
ہم یہاں ہیں
جہاں سے بہت قریب ہیں ہوا کے تیس دروازے
تیس دروازے ہیں
یا تیس تھے؟

ہم تمھیں سکھا رہے ہیں:
کیسے دیکھا جائے،
کیسے جانا جائے
اور کیسے سنا جائے
اور کس طرح خطروں سے خالی ہو سکتا ہے
ہمارے خون کو محسوس کرنا

ہم تمھیں اپنا امن سکھا رہے ہیں،
ہم تمھیں بتا رہے ہیں
محبت کی جائے یا نہ کی جائے
دمشق، مکہ یا قیروان جانے والے راستوں سے

ہم یہاں ہیں، اپنے آپ میں:
اگست کے لیے آسمان،

مٹی کے لیے سمندر
اور ایک گھوڑے کے لیے آزادی

سمندر کو ہم صرف اس لیے تلاش کر رہے ہیں
کہ دھویں کے گرد
نیلگوں حلقوں کی واپسی پھر سے ممکن ہو سکے

ہم یہاں ہیں،
جہاں سے قریب ہیں
تیس صورتیں،
ایک ستارے کے تیس سائے

وہ مجھے مُردہ دیکھنا چاہتے ہیں

وہ مجھے مردہ دیکھنا چاہتے ہیں
تاکہ پورے یقین سے کہہ سکیں:
وہ ہم میں سے تھا، اور ہم جیسا تھا
بیس سال سُنی ہے
رات کی دیوار سے
میں نے یہ چاپ،
وہ آتے ہیں

لیکن دروازہ نہیں کھولتے

آخر وہ داخل ہو رہے ہیں،
اب اُن میں سے تین واپس جا رہے ہیں،
تین،
ایک شاعر،
ایک قاتل
اور ایک قاری

کیا تم کچھ وائین لوگے؟ میں پوچھتا ہوں
ہاں، لے لیں گے، ایک ایک گلاس
مجھے گولی کب مارو گے؟ میں سوال کرتا ہوں
اپنا وقت آلینے دو
وہ اپنے گلاس بھرتے ہیں
اور گھونٹ لیتے ہوئے گانا شروع کرتے ہیں،
عوام کے لیے ایک گیت
میں پھر پوچھتا ہوں:
مجھے قتل کرنا کب شروع کرو گے؟
وہ جواب دیتے ہیں:
وہ تو ہم شروع کر چکے

کچھ وقفے کے بعد وہ پوچھتے ہیں:

تم نے روح کے لیے جوتے کیوں بھیجے؟
تاکہ وہ زمین پر چل سکے
میں جواب دیتا ہوں
تم نے سفید نظم کیوں لکھی،
زمین تو کافی سیاہ ہے؟ وہ سوال کرتے ہیں
اس لیے کہ میرے دل میں تیس سمندر بہتے ہیں
میں جواب دیتا ہوں
اور تم فرانسیسی وائین کیوں پسند کرتے ہو؟ وہ پوچھتے ہیں
اس لیے کہ صرف میں ہی ہوں دنیا کی سب سے اچھی عورت کا مستحق
میں جواب دیتا ہوں

تم اپنے لیے کیسی موت پسند کرو گے؟
کچھ دیر بعد انھوں نے پوچھا
چھت سے گرتے نیلگوں ستاروں جیسی
میں نے جواب دیا اور پوچھا:
کیا تم لوگ کچھ اور وائین لو گے؟
ہاں، کچھ اور بھی لے لیں گے؟
کیا میں تم سے جلد بازی نہ کرنے کی درخواست کرسکتا ہوں؟
مجھے تھوڑا تھوڑا کر کے ہلاک کرنا،
میں اپنے دل کی بیوی کے لیے آخری نظم مکمل کرنا چاہتا ہوں
وہ ہنسے اور ہنستے رہے
لیکن جاتے ہوئے،

میرے وہ لفظ بھی چُرا کر لے گئے،
جو میں استعمال کرنا چاہتا تھا
اپنے دل کی بیوی کے لیے لکھی جانے والی نظم میں

ایتھنز ائر پورٹ

ہمیں لے جا پھینکتا ہے ایتھنز ائر پورٹ
دوسرے ائر پورٹس پر
ایک جنگجو پوچھتا ہے:
میں اب کس محاذ پر لڑوں گا؟
حاملہ عورت چلاتی ہے:
میں تمھارا بچہ کہاں جنوں گی؟
ایک ملازمت پیشہ پوچھتا ہے:
میں اپنی کمائی کہاں لگاؤں گا؟
دانشور سوال اٹھاتا ہے:
تمھاری کمائی اور میرا...؟
کسٹم افسر پوچھتا ہے:
تم لوگ کہاں سے آئے ہو؟
ہم کہتے ہیں:
سمندر سے
وہ پوچھتا ہے:

اور جاؤ گے کہاں؟
ہم کہتے ہیں:
سمندر میں
وہ سوال کرتا ہے:
تمھارے پتے؟
ہمارے گروپ کی ایک عورت جواب دیتی ہے:
میرا گاؤں ہے میری یہ گٹھڑی

ایتھنز ائرپورٹ پر
ہم برسوں انتظار کرتے ہیں،
اس دوران ایک نوجوان لڑکا اور لڑکی شادی رچا لیتے ہیں
اب انھیں ایک کمرہ درکار ہے
دُلھا کہتا ہے:
کیسے دے گی میرے دُلھن مجھے اپنا کنوار پن؟
ہم ہنستے ہیں اور کہتے ہیں:
نوجوان ایسی خواہشوں کے لیے یہاں کوئی جگہ نہیں
ایک تجزیہ کار اپنے رائے کا اظہار کرتا ہے:
وہ اس لیے مرتے ہیں کہ مرنے سے بچ جائیں،
وہ سہواً مرتے ہیں
ایک ادیب کہتا ہے:
ہمارے گروہ کی شکست ناگزیر ہے
وہ ہم سے کیا چاہتے ہیں؟

ایتھنز ائر پورٹ پر روزانہ
لوگ آتے اور جاتے ہیں
لیکن ہم ٹھہرے ہوئے ہیں،
ہم نشستوں پر بیٹھے ہیں
ہم سمندر کے انتظار میں ہیں
لیکن اور کتنے سال،
ایتھنز ائر پورٹ؟

گٹار پر ایک گیت

وہ ایک مصور تھا
لیکن بالعموم
تصویریں
نہ تو دروازے کھول سکتی ہیں
نہ ہی انھیں توڑ سکتی ہیں
وہ تو اس وہیل مچھلی تک کو نہیں بھگا سکتیں
جو چاند کے چہرے پر آ جاتی ہے

(گٹار، میرے یار
مجھے لے چل

دور اُن کھڑکیوں کے پاس)

وہ ایک شاعر تھا
لیکن جب اُس نے جہاز کے عرشے سے
یافا کو دیکھا
تو نظمیں خشک ہو گئیں
اُس کے حافظے میں

(گٹار، مرے یار
مجھے لے چل
دُھندلائی ہوئی شہد رنگ آنکھوں کے پاس)

وہ ایک فوجی تھا
بم کے ایک ٹکڑے نے
اُس کا بایاں گھٹنا اُڑا دیا
اُس کا عہدہ
بڑھا دیا گیا
اور اس کے ساتھ ہی اُسے دے دی گئی
لکڑی کی ایک ٹانگ

(گٹار، مرے یار
مجھے لے چل

سوئے ہوئے، میرے اپنے ہی ملک کے پاس)

آج شہادتوں کے جشن کی تقریب میں
گٹار بجانے والا آرہا ہے
ایک ایسی جگہ سے،
جو ہماری آنکھوں سے دور ہے

گٹار بجانے والا آرہا ہے
بے لباس یا صرف ایک انڈر ویئر پہنے

گٹار بجانے والا آرہا ہے
اور میں اُسے آتے ہوئے دیکھ سکتا ہوں
سونگھ سکتا ہوں میں
اُس کی گٹار کے تاروں سے اُٹھتی
خون کی مہک

ہر گلی سے گذرتے ہوئے
میں اُسے دیکھ سکتا ہوں
اور سن بھی سکتا ہوں

وہ پوری قوت سے گا رہا ہے:
'دیکھ لو، اچھی طرح دیکھ لو

یہ ہے لکڑی کی ٹانگ
سن لو، اچھی طرح سن لو
یہ ہے انسانی گوشت کی موسیقی؛

ایک نظم جو میرے ملک سے سبز نہیں

میرے ملک میں
جہاں سند باد کے بادبان کبھی نہیں لہرائے
خوابناکی کی ٹوکریوں میں جہاد کے قصے
سورماؤں اور اُس سورج کی داستانیں اٹھائے
جس نے گھاٹیوں سے ادھر
شہرزاد کی راتوں میں سے کسی ایک رات کی بھی
شب پیمائی نہیں کی
جہاں اُس پر طلوع نہیں ہوئی کوئی صبح
نہ اس نے دراز کیے اُس کے لیے سفید فیاض ہاتھ...

میرے ملک میں قبرستان ہیں
روشنی اور پُرنور پھولوں کے،
منبعے اور سرچشمے ہیں سوگ کے

ہمارے خط اور رنگوں کو محروم کر دیا گیا

ان کی مُشکیں ایسے کسی گئیں کہ چیخیں نکل گئیں
ان کا دم گھونٹ دیا گیا
ان کی آخری چنگاری تک نچوڑ لی گئی
ان کی نیکی کے حاشیے تک لوٹ لیے گئے
اُنھیں اتنا کچلا گیا کہ وہ جلنے لگے اور پھر پھٹ گئے
ہمارا خط بن گیا وہ زخم جس میں تیرتا ہے شام کا دھندلکا
خاموشی کے ساتھ وہ ہنس رہا ہے
شگوفوں اور نیازبو کے گچھوں میں
اور میرے ملک میں
صبح سے ملاقاتیں ان ابابیلوں کو پکارتی ہیں
جو میرے ملک کے افق کے اس پار کھوگئی ہیں
جہاں لاپرواہی کے سبب اس سے ترک ہوگئی ہیں نظمیں

جب جدائی کی طویل رات عاشقوں کو کھودے
تو ہوسکتا ہے ابابیلیں چپ رہیں
لیکن وہ اپنا گیت کبھی نہیں بھولیں گی
وہ گائیں گی اور چیخیں گی
جب میرے ملک میں زیتون پر پھول آئیں گے
جب آسمانی بارشیں ان داغوں کو دھوڈالیں گی
جو دق چھوڑ جاتی ہے یا چھوڑ جاتے ہیں مقدر کے کانٹے

میرے ملک میں

انھوں نے زخم کھولا اور کہا
اس میں تو ٹانکے لگیں گے
اُسے چپ کرایا گیا، بے ہوش کیا گیا
اور دھند میں لپیٹ دیا گیا
اسے چپ رہنا سکھایا گیا
اور خزاں کے تشدد کی ابتدا سے مانوس کیا گیا
لیکن خاموشی کے باعث وہ جاگ گیا اور بولا:
میرے ملک میں: انسانوں کے ملک میں: ہر ملک میں
زخم چپ تو ہو جاتا ہے لیکن بھرتا نہیں
زخم اپنے مستقبل پر یقین رکھتا ہے
کیا مستقبل کے علاوہ بھی کچھ ہے؟
جہاں زخم کو گیتوں کے خون سے سینچا جاتا ہے
اُن باغوں میں
جن میں زندگی کے رنگ اڑ چکے ہوں
لیکن چکاوک نغمہ سرائی کرتے ہوں
اور ابابیلیں جو لوٹی ہوں گانے لگیں
ایک بار پھر زندہ ہونے پر...

پہلی ملاقات

میرے ہاتھ کو نرمی سے دباتے ہوئے

اُس نے سہ لفظی سرگوشی کی
انتہائی قیمتی شے جو مجھے دن بھر میں حاصل ہوئی:
'کل ملیں گے'
اور سڑک نے اُسے نگل لیا

دو بار میں نے شیو کی
دو بار جوتوں کو چمکایا
دوست سے سوٹ مانگا اور دو لیرے
تا کہ اُس کے لیے مٹھائی خرید سکوں اور سفید کافی

میں اکیلا بیٹھا تھا
محبت کرنے والے جوڑے خوش ہو رہے تھے
کوئی چیز مجھے بھی بتا رہی تھی:
ہم دونوں بھی خوش ہو سکتے ہیں،
اُن کی طرح

شاید وہ اب راستے میں ہوگی
شاید وہ بھول گئی ہو
شاید...شاید...
ابھی تو دو منٹ باقی ہیں

ساڑھے چار بجے

آدھا گھنٹے اور گذر گیا
ایک گھنٹہ، دو گھنٹے
سائے لمبے ہوتے گئے
لیکن جس نے آنے کا وعدہ کیا تھا،
وہ نہیں آئی
ساڑھے چار بجے

جلاوطنی سے خط

(۱)

سلام اور محبت
مجھے اور کچھ نہیں کہنا
کہاں سے شروع کروں گا؟
اور کہاں کروں گا ختم؟
بے حدود ہے وقت کا دائرہ
اور اس بے گھری میں
کیا ہے میرے پاس
کہنے کو تو ہے
ایک باسی روٹی اور اُسے چبانے کے لیے دانت
اور ایک نوٹ بک
جو بہ ہر صورت میرا بوجھ کم کرتی ہے
جس کے صفحوں پر میں اپنی تلخی اگلتا ہوں

کہاں سے شروع کروں گا میں؟
ہر بات تو کہی جا چکی
اور کہی جائے گی کل کے بعد
ہر بات ختم ہوتی ہے،
گلے نہ ملنے اور ہاتھوں کے لمس کی محرومی پر
لیکن کسی محروم کو اس کے گھر نہیں لے جاتی
کوئی بارش نہیں برساتی
ایک پر تک نہیں اُگاتی
کھوئے ہوئے زخمی پرندے کے بازوؤں پر

کہاں سے شروع کروں میں؟
سلام، سلام اور محبت

(۲)

مائیکروفون پر کہتا ہوں:
اُسے بتادو، میں بالکل ٹھیک ہوں
پرندے سے کہتا ہوں:
پرندے! اگر اُس سے تیری ملاقات ہوجائے،
تو اُسے یہ بتانا مت بھولنا کہ میں ٹھیک ہوں
میں بالکل ٹھیک ہوں

ابھی برقرار ہے میری بینائی
ابھی آسمان پر چاند چمکتا ہے
لیرو لیر نہیں ہوا میرا پرانا سوٹ
پھٹ ضرور گیا تھا کئی جگہ سے
میں نے پیوند لگا لیے ہیں، اب وہ بالکل ٹھیک ہے
میں پھر سے جوان ہو گیا ہوں، یہی کوئی بیس سال کا
ذرا سوچو تو: میں بیس سال کا ہوں
اور ماں! بالکل دوسرے نوجوانوں کی طرح
میں بھی زندگی کا مقابلہ کرتا ہوں
اُسی طرح اُس کا بوجھ اٹھا رہا ہوں،
جیسے دوسرے نوجوان اٹھاتے ہیں
اور میں کام کر رہا ہوں
ایک ریستوران میں، پلیٹیں دھوتا ہوں
اور کافی بھی بناتا ہوں
مسکراہٹ بھی سجائے رکھتا ہو، اُداس چہرے پر
تاکہ خوش ہو کر جائیں گاہک

(۳)

میں بالکل ٹھیک ہوں
میری عمر بیس سال ہے
ماں! میں دوسرے نوجوانوں جیسا ہوں

میں سگریٹ پیتا ہوں اور دیواروں سے ٹک کر کھڑا ہوتا ہوں
آتی جاتی خوبصورت لڑکیوں کو ہیلو کہتا ہوں
اور دوسرں کی طرح یہ رائے بھی دیتا ہوں:
پیارے بھائی! لڑکیاں قیامت ہیں
ان کے بغیر زندگی کتنی تلخ ہوتی، کتنی تلخ ہے زندگی!
میرے دوست کہتے ہیں: تمھارے پاس کچھ روٹی ہوگی؟
پیارے بھائی! آدمی کی اوقات ہی کیا ہے
اگر اُسے ہر رات خالی پیٹ سونا پڑے؟
میں بالکل ٹھیک ہوں
بالکل ٹھیک
میرے پاس ڈارک براؤن بریڈ کا ایک ٹکڑا ہے
اور ایک چھوٹی سے ٹوکری میں کچھ سبزیاں

(۴)

ریڈیو پر ہی میں نے سنا
بے گھر، بے گھروں کو خیریت سے آگاہ کر رہے تھے
وہ سب کہہ رہے تھے: ہم بالکل ٹھیک ہیں
کوئی اُداس نہیں ہے

اور میرا باپ کیسا ہے؟
کیا وہ اب بھی دوسرے بوڑھوں کی طرح،

بیٹوں، زمین اور زیتون کے درختوں کا ذکر کرتے ہوئے
انشاءاللہ اور ماشااللہ کہتا ہے؟
اور کیسے ہیں میرے بھائی؟
کیا وہ بن گئے سول سرونٹ؟
ایک بار میں نے ابا کی زبانی سنا تھا:
وہ سب ٹیچر بن گئے ہیں؟
ایک بار وہ کہہ رہے تھے:
'میں اُن کے لیے کتابیں خریدنے بھوکا ہی چلا جاتا ہوں'
میرے گاؤں کا کوئی آدمی خط میں ایک لفظ تک نہیں لکھتا
میری بہنیں کیسی ہیں؟
کیا وہ بڑی ہوگئی ہیں؟ کیا ان کا کوئی رشتہ آیا؟
اور کیسی ہیں دادی؟
کیا ویسی ہی بوڑھی کی بوڑھی؟
کیا اب بھی دروازے پر بیٹھی رہتی ہیں؟
کیا وہ اب بھی دُعا کرتی ہے؟
ہم خوشحال ہوں، طاقت ور ہوں اور ہم پر خدا کی رحمتیں نازل ہوں؟

اور کیسا ہے ہمارا گھر؟
اُس کی سیڑھیاں، اُس کے آتشدان اور اُس کا دروازہ؟
میں نے ریڈیو پر سنے ہیں'
بے گھروں کے نام بے گھروں کے پیغام،
وہ سب بالکل ٹھیک ہیں

لیکن میں اُداس ہوں
مجھے یہی پریشانی کھائے جا رہی ہے
ریڈیو پر کچھ نہیں آتا تمھارے بارے میں
کوئی بری اطلاع
کوئی خراب خبر

(۵)

ماں! رات ہے ایک بھوکے قاتل بھیڑیے کی طرح
بے گھر جہاں بھی جاتے ہیں وہ اُن کا تعاقب کرتی ہے
اور بھوتوں کے گرم افق کھول دیتی ہے
اور بید کے جنگل ہواؤں سے گلے مل رہے ہیں
ماں! کیا ہم سے کوئی غلطی ہوگئی ہے
کیوں ضروری ہے کہ ہم دوبار مریں
ایک بار تو مریں زندگی میں
اور ایک بار زندگی کے بعد
ماں! کیا تجھے پتا ہے
مجھے کیا بات سسکیوں پر مجبور کرتی ہے؟
فرض کرو، میں کسی رات بیمار پڑ جاؤں
ایسی بیماری جو میرا انجر پنجر ہلا دے
کیا یہ شام یاد رکھے گی
ایک مہاجر جو یہاں آیا اور پھر واپس وطن نہیں لوٹ سکا؟

کیا یہ شام یاد رکھے گی
ایک مہاجر کو جسے کفن تک نہ ملا؟

بید کے جنگلو! کیا تمھیں،
کیا تمھیں یاد رہے گا کہ وہ
جسے دوسری مردہ اشیا کی طرح
تمھارے اُداس سایوں میں پھینکا گیا، ایک آدمی تھا؟
کیا تمھیں یاد رہے گا کہ میں ایک آدمی ہوں؟
کیا تم میری نعش کو انتقام پر تلے کوؤں سے بچاؤ گے؟

ماں! او میری ماں!
میں کس کے لیے لکھ رہا ہوں، یہ صفحے کے صفحے؟
کس ڈاک سے جائیں گے یہ صفحے؟
بری، بحری اور فضائی راستوں کی تو ناکہ بندی کر دی گئی ہے
تم، میری ماں،
میرے باپ، میرے بھائیو، رشتہ دارو اور دوستو!
شاید تم زندہ ہو گے
شاید تم مر چکے ہو گے
شاید، میری طرح تمھارا بھی کوئی اتا پتا نہ رہا ہو

کیا ہے وہ آدمی؟
اور کیا ہے اُس کی اوقات؟

جس کا وطن ہی نہ ہو
جس کا کوئی پرچم ہی نہ ہو
جس کا کوئی پتا ہی نہ ہو
کیا اوقات ہو سکتی ہے ایسے آدمی کی؟

خواہشوں کے لیے

مت پوچھو مجھ سے :
ڈبل روٹیاں بیچوں گا، میں الجزائر میں
یا ترانے گاؤں گا کسی باغی کے ساتھ؟

مت پوچھو مجھ سے :
یمن میں چرواہا بنوں گا
یا وقت کے ارتعاش کے گیت گاؤں گا؟

مت پوچھو مجھ سے :
ہوانا کے کسی کیفے میں ویٹر بنوں گا یا
اپنے گرد موجود عورتوں کی کامیابیوں کے گیت گاؤں گا

مت پوچھ مجھ سے :
چٹانوں کے لیے گیت گاؤں گا یا

بن جاؤں گا اسوان کے نوجوان مزدوروں میں سے ایک

میرے دوستو!
نیل، اولگا نہیں بنے گا
نہ ہی کانگو اور اردن، فرات میں جا ملیں گے
ہر دریا کا ہے اپنا منبع، اپنا راستہ اور اپنی زندگی

میرے دوستو! ہماری دھرتی بنجر نہیں ہے
لیکن ہر زمین کے پیدا ہونے کا اپنا وقت ہوتا ہے
اور ہر صبح کا بھی خاص وقت ہوتا ہے
اپنے باغی سے ملاقات کا

جیل

بدل گیا ہے میرے گھر کا پتا
میرے کھانے کا وقت
اور تبدیل ہو چکی ہے، تمباکو کی مقدار

تبدیل ہو چکا ہے میرے کپڑوں کا رنگ
میرا چہرہ اور جلد
یہاں تک کہ وہ چاند

جو کبھی مجھے بہت پیارا لگتا تھا
اب وہ پہلے سے کہیں بڑا اور دلکش لگتا ہے
اب زمین کی مہک ہے، خوشبو
اور فطرت کا ذائقہ ہے: مٹھاس
یوں لگتا ہے: میں اپنے پرانے گھر کی چھت پر ہوں
اور ایک نئے ستارے نے
خود کو جڑ لیا ہے میری آنکھوں میں

معذرت

میں خواب دیکھتا ہوں:
میں بچہ ہوں اور مری شادی ہو رہی ہے
میں خواب میں دیکھتا ہوں:
بڑی بڑی دو کشادہ آنکھیں مجھے دیکھ رہی ہیں
میں خواب میں دیکھتا ہوں:
ایک لڑکی ہے،
جس کے بال گندھے ہوئے ہیں
میں خواب میں زیتون کا ایک ایسا درخت دیکھتا ہوں
جسے کسی بھی قیمت پر فروخت نہیں کیا جاسکتا

میں خواب میں تمھاری تاریخ کی ناقابل تسخیر دیواریں دیکھتا ہوں

باداموں کی خوشبو بھی مجھے اب خواب ہی میں دکھائی دیتی ہے
میں دیکھتا ہوں کہ طویل راتوں کی اُداسی کو نذر آتش کر رہا ہوں

میں خواب دیکھتا ہوں، اپنے خاندان کا
اپنی بہن کے ہاتھوں کا
جو مجھے فتح مندی کا اعزاز پہنا رہے ہیں
میں خواب دیکھتا ہوں: موسم گرما کی رات کا
اور انجیروں سے بھری ایک ٹوکری کا

میں نے خواب میں کیا کچھ دیکھا
اور کیا کیا ہیں میرے خواب
ان سب کے لیے میری معذرت
معاف کر دینا مجھے ان سب کے لیے

زیتون کے جُھنڈ سے اُبھرتی آواز

جب مجھے آگ پر مصلوب کیا جاتا ہے
زیتون کے جُھنڈ سے بلند ہوتی ہے
ایک گونج

میں کووں سے کہتا ہوں: مجھے ٹکڑے ٹکڑے مت کرو

شاید میں ایک بار پھر گھر لوٹوں
شاید آسمان مینھ برسائے
جو شاید
ان لکڑیوں کو ٹھنڈا کر دے

کسے خبر ہے...
میں خود ہی ایک دن اپنی اس صلیب سے اُتروں
کس طرح لوٹوں گا میں: ننگے پیر اور برہنہ جسم

گلاب کے پھوُل اور لُغت

تو یوں ہی سہی
مجھ پر تو یہی لازم ہے
لازمی ہے شاعر کے لیے ایک نیا جامِ صحت
نئے گیت

میں لیے پھرتا ہوں
اساطیری داستانوں کی چابیاں، غلاموں کی باقیات
اور گذرتا ہوں
معطر تہہ خانوں سے
گولیوں سے چھلنی موسم گرما سے

اور تاریخ کو دیکھتا ہوں
ایک بوڑھا، ایک ضعیف
جو شطرنج کی چالیں چلتا ہے
اور لہو چوستا ہے ستاروں کا

تو یوں ہی سہی
میرے لیے تو لازم ہے،
موت کو مسترد کرنا
اگر میرے تمام اساطیری ہیرو مر جائیں تو بھی
میں تو کھنڈروں کے ملبے میں ڈھونڈ رہا ہوں
نئی شاعری کے لیے روشنی
افسوس، مری جان! میں پہلے نہیں جان سکا،
لُغت میں چھپ کر بیٹھے یہ حروف تو ہیں حماقت
کیسے زندہ بچیں گے یہ لفظ؟
کیسے بڑھیں گے اور کیسے پھلیں پھولیں گے؟
آج بھی اُن کی پرورش یادداشت کے آنسوؤں
استعاروں
اور مٹھاس پر ہوتی ہے

تو یوں ہی سہی
میرے لیے تو ضروری ہے اُس گلاب کو مسترد کرنا
جو کسی لُغت

یا کسی شعری مجموعے میں رکھا ملتا ہے
لیکن وہ گلاب،
جو کسان کے بازوؤں سے نکلتے،
مزدور کی گرفت سے اُگتے
اور ایک جنگجو کے زخم سے
ایک چٹان کے ماتھے پر نمو پاتے ہیں
وہ گلاب؟

فوجی جو سفید سوسن کے خواب دیکھتا ہے

(ایک اسرائیلی فوجی سے خیالی گفتگو)

وہ سوسن کے سفید پھولوں کے خوابؔ دیکھتا ہے
زیتون کی ایک شاخ کے
اور محبوبہ کے پستانوں کے
جو سر شام تناؤ سے بھر جاتے ہیں

میں خواب دیکھتا ہوں،
اُس نے مجھے بتایا، ایک پرندے کے
لیموؤں پر بہار کے
اور نہیں چاہتا، اپنے خوابوں کا تجزیہ
میں صرف محسوس کرنا اور سونگھ کر سمجھنا چاہتا ہوں

میں سمجھتا ہوں،
اُس نے مجھے بتایا، کہ گھر تو ہوتا ہے:
ماں کے ہاتھ سے بنی ہوئی کافی کا پینا
اور شام ہونے کے بعد عافیت سے لوٹنا

میں نے اُس سے پوچھا: اور زمین؟
زمین کے بارے میں تمھارا کیا خیال ہے
اُس نے کہا: میں اُسے نہیں جانتا
میں نہیں سمجھتا کہ وہ ویسی ہوگی، جیسی نظموں میں ظاہر کی جاتی ہے
میری کھال اور دل کی دھڑکن
مجھے تو وہ اچانک دکھائی دیتی ہے
جیسے کوئی دکان، کوئی گلی یا کوئی اخبار

میں نے اُس سے پوچھا:
کیا تم اُس سے محبت کرتے ہو؟
اُس نے جواب دیا: میری محبت، مختصر سی تفریح ہے،
گلاس بھر وائین، اور کچھ دیر کی
خوش کن رفاقت
کیا تم اُس کے لیے جان دے سکتے ہو؟
بالکل نہیں

اس زمین سے میرا تعلق صرف اس لیے نہیں

کہ کوئی جوشیلا مضمون یا کوئی لیکچر
مجھے بتاتا اور اکساتا ہے
کہ مجھے اُس کی محبت سے محبت کرنی چاہیے
لیکن مجھے نہیں لگتا ہے کہ اس کا دل میرا ہے
میں نے،
اس کی گھاس، اس کی جڑوں
اور اس کی شاخوں میں سانس نہیں لیے
اور اُس کی محبت کیسی ہے؟
کیا وہ سورج کی طرح کریدتی اور گودتی ہے؟
وہ میری طرف پلٹا اور بولا:
میرے خیال میں محبت کا ذریعہ ہے یہ بندوق
اور تباہی کے قدیم واقعات سے تقریبات کی بحالی
اور ایک قدیم مجسمے کی خاموشی
جس کا عہد اور شناخت گم ہو چکے ہوں

اُس نے مجھ سے اس آخری دن کی باتیں کیں
اُس نے مجھے اپنی ماں کے بارے میں بتایا
کس طرح وہ رو رہی تھی چُپ چُپ
جب اُسے محاذ پر
لے جایا جا رہا تھا
کس طرح اُس کی ماں کی دُکھ بھری آواز
اُس کی جلد کے نیچے پیدا کر رہی تھی، ایک نئی آرزو:

کاش یہ فاختائیں
وزارت دفاع تک بھی پہنچ سکیں،
کاش یہ فاختائیں

اُس نے سگریٹ کا ایک کش لیا اور مجھ سے کہا،
اس کے باوجود کہ ہم خون کی دلدل سے گذر رہے ہیں
میں سفید سوسنوں کے خواب دیکھتا ہوں
زیتون کی ایک شاخ کے
ایک پرندہ جو لیمو کی شاخوں میں
صبح کا خیر مقدم کر رہا ہے

تم اور کیا کیا دیکھتے ہو؟
وہی جو میں نے بتایا ہے:
کانٹوں بھرا ایک سُرخ تاج
ریت میں، سینوں میں اور پیٹوں میں پھٹتا ہوا

تم نے اب تک کتنے لوگوں کو مارا؟
تعداد... اُن کی گنتی مشکل ہے،
لیکن مجھے ایک تمغہ مل چکا ہے

خود کو اذیت دیتے ہوئے، میں نے پوچھا:
جنھیں تم نے مارا، ان میں سے کسی ایک کے بارے میں بتاؤ،

وہ نشست بدل کر سیدھا ہوا،
بے خیالی میں
سامنے رکھے ہوئے اخبار کی بند تہوں پر اُنگلیاں پھیریں
اور مجھ سے اس طرح مخاطب ہوا،
جیسے کوئی گانا سنانے والا ہو:
وہ چٹان پر ایک خیمے کی طرح ایسے ڈھیر ہوا
جیسے اچانک ٹوٹنے والے
کسی ستارے کو پکڑنے کی کوشش کر رہا ہو
لمحے بھر کو اُس کی کشادہ پیشانی پر لہو کا تاج چمکا
اُس کے سینے پر کوئی میڈل نہیں تھا
وہ کوئی جنگجو یا لڑاکا بھی نہیں تھا
وہ کوئی کسان، مزدور یا راہ گیر لگتا تھا
چٹان پر وہ ایک خیمے کی طرح ڈھیر ہوا اور مر گیا
اُس کے بازو، دو خشک چشموں کی طرح
کھلے ہوئے تھے
اور جب میں نے اُس کا نام جاننے کے لیے جامہ تلاشی کی
تو اُس کے پاس سے دو تصویریں نکلیں
ایک اس کی بیوی کی
اور ایک اُس کی نوجوان بیٹی کی

میں اُس سے پوچھا: کیا تمھیں دُکھ ہوتا...؟
اُس نے مجھے درمیان ہی میں روک دیا اور بولا:

محمود، میرے دوست،

دُکھ ایک ایسا سفید پرندہ ہے

جو میدانِ جنگ کے قریب بھی نہیں پھٹکتا

فوجی کے لیے دُکھ گناہ ہے

وہاں تو میں صرف ایک مشین ہوتا ہوں،

جو آگ اور موت اگلتی ہے

اور علاقے کو ایک ایسے سیاہ پرندے میں تبدیل کر دیتی ہے

جو اُڑ نہیں سکتا

بعد میں

اُس نے مجھ سے اپنی محبت کی باتیں کیں

کہیں دور واقع ایک گلی کی

جنگ پر اپنے ردِعمل کی

اخبارات اور ریڈیو کے ہیروازم کی

اور جب وہ رومال میں اپنی بلغم چھپا رہا تھا

تو میں نے اُس سے پوچھا:

کیا ہماری اور ملاقاتیں بھی ہوں گی؟

اُس نے جواب دیا: دور کہیں کسی شہر میں

جب میں نے چوتھی بار اُس کا گلاس بھرا

تو مذاق میں کہا:

تم موضوع سے دور ہوتے جا رہے ہو

وطن کے بارے میں کیا خیال ہے؟
مجھے ہو جانے دو دور، اُس نے کہا
میں سفید سوسن کے خواب دیکھتا ہوں
ایک گلی جو گا رہی ہے،
ایک گھر جس میں چراغاں ہو رہا ہے
میں سورج سے روشن دن چاہتا ہوں
فاتحوں کا دیوانگی بھرا لمحہ نہیں
میں ایک ایسا مسکراتا ہوا بچہ چاہتا ہوں
جو دن سے قہقہے لگاتا ہوا ملتا ہے
جو جنگ کی اس مشین کا پرزہ نہ ہو
میں سورج کو ہمیشہ طلوع ہوتے ہوئے دیکھنا چاہتا ہوں
غروب ہوتے ہوئے نہیں

وہ مجھ سے جدا ہو گیا،
وہ سفید سوسنوں کی تلاش میں تھا
ایک پرندے کی تلاش میں
جو زیتون کی شاخ پر صبح سویرے ملتا ہے
اس لیے کہ وہ چیزوں کو سمجھتا ہے
اس لیے کہ وہ چیزوں کو اس طرح سمجھتا اور محسوس کرتا ہے،
جیسے وہ انھیں سونگھ کر محسوس کرتا ہو

اُس نے مجھ سے کہا تھا: اُس کے خیال میں گھر تو

ماں کی بنائی ہوئی کافی کی چسکیاں لینے کا
اور اُس جگہ کا نام ہے جہاں آدمی شام لوٹنا چاہتا ہے
عافیت کے ساتھ

ماں کے لیے

ترس گیا ہوں میں ماں تیری روٹی کے لیے
تیری بنائی ہوئی کافی
اور لمس کے لیے
اور اُس بچپن کے لیے، جو مجھ میں پروان چڑھا
دن کے سینے پر چڑھتے ہوئے دن کے ساتھ
اور مجھے اپنی زندگی سے محبت ہے
اگر میں مر گیا
تو تیرے آنسو مجھے کہیں کا نہیں چھوڑیں گے

اگر میں لوٹ آؤں تو بنا دینا
مجھے اپنی آنکھوں پر پڑی نقاب
اور میری ہڈیوں کو اُس گھاس میں چھپا دینا
جسے تمھاری ایڑیوں کی پاکیزگی بپتسمہ دیتی ہے
کس دینا میرے بندھن
بالوں کے بل سے

اور اُس ڈور سے جو تیرے ملبوس کے لبھاؤ کے پیچھے پیچھے چلتی ہے
شاید میں خدا بن جاؤں
اور۔۔۔ بن ہی جاؤں گا
اگر میں نے چھولیا تیرے دل کی گہرائی کو

اگر میں لوٹ آؤں تو ڈال دینا
مجھے اپنے چولہے میں تیل جان کر
لٹکا دینا مجھے
اپنی چھت پر ٹنگے ہوئے کپڑوں کی قطار میں ایک کپڑا سمجھ کر

تمھاری روزانہ کی دعاؤں کے بغیر بے حوصلہ ہو گیا ہوں میں
بوڑھا ہو گیا ہوں،
مجھے میرے بچپن کے ستارے واپس دے دو
تا کہ میں اُن پرندوں میں
شامل ہو سکوں
جو واپسی کے راستوں پر ہوں
اور اس گھونسلے میں لوٹنا چاہیں
جو صرف تیرے انتظار سے بنتا ہے

ریڈ کراس کے لیے ایک سادہ سا گیت

کیا ہر جگہ اور ہر ایک کے پاس اسلحہ

پھلتی پھولتی روٹی، امیدیں
اور کوئی قومی نغمہ نہیں ہے؟
تو پھر کیوں، ابا! ہم شاہ بلوط کی شاخیں کھاتے ہیں
اور چھپ چھپ کر گاتے ہیں اپنے گیت؟

ابا! ریڈ کراس کے ہاتھوں میں
ہم خیریت سے اور محفوظ ہیں

جب ہمارا تھیلا آٹے سے خالی ہو جاتا ہے
تو چاند کیوں بن جاتا ہے
ہماری آنکھوں کے لیے ایک روٹی
تو ابا! پھر کیوں
آپ نے بیچ دیے
روٹی کے چند ٹکڑوں اور زرد پنیر کے عوض
میرے قہقہے اور میرا مذہب
ریڈ کراس کے اسٹور کو؟

ابا! کیا ہمیں بچا لیں گے
زیتون کے یہ جُھنڈ
جب بارش ہو گی؟
کیا آگ سے بھی اچھے ہو جائیں گے یہ درخت؟
کیا یہ چاندنی

برف کو پگھلا دے گی؟
یا جلا دے گی رات کے عفریتوں کو؟
میرے پاس ہیں لاکھوں سوال
لیکن تمھاری آنکھوں میں دکھائی دیتی ہے
صرف پتھروں کی خاموشی

جواب دو ابا!
مجھے بتاؤ:
کیا تمھی ہو میرے باپ
یا میں بن چکا ہوں
ریڈ کراس کا بیٹا؟

ابا! کیا صلیب کے سائے میں بھی
پھول کھلتے ہیں؟
کیا بلبلیں گاتی ہیں؟
انھوں نے بارود سے کیوں اڑا دیا میرے چھوٹے سے گھر کو؟
اور ابا کیوں، غروب کے وقت
آپ دیکھتے ہیں طلوعِ آفتاب کا خواب؟
آپ مجھے بلاتے ہو اور بلاتے ہی چلے جاتے ہو
جب کہ میں
اُس وقت، ریڈ کراس کی دکان پر
مٹھائیوں اور کشمش کے خواب دیکھ رہا ہوتا ہوں
انھوں نے مجھے دن کے جھولوں سے محروم کردیا

انھوں نے میری روٹی کو کیچڑ میں ملا دیا
اور پلکوں کو گرد سے بھر دیا
انھوں نے ضبط کر لیا میرا محبوب مشغلہ
انھوں نے مجھ پر ڈال دیا
آپ کی پیٹھ کا بوجھ
انھوں نے میری کمر پر رکھ دی
سال بھر لمبی رات

یہ کس نے مجھے اڑا دیا پلک جھپکتے
اور بنا دیا ہے آگ اگلتا چشمہ؟
کس نے
کس نے ریڈ کراس کے پرچم تلے
مجھ سے چھین لی ہے وہ فاختہ
جو میرے دل میں گھونسلہ بناتی تھی

شناختی کارڈ

لکھو

میں ہوں عرب
میرے شناختی کارڈ کا نمبر ہے
پچاس ہزار

میرے آٹھ بچے ہیں
اور نواں آنے والا ہے
انھی گرمیوں میں
نہیں، بھلا اس میں کاہے کی جھنجلاہٹ؟

لکھو

میں عرب ہوں
اور یہیں کرتا ہوں دوسروں کے ساتھ
پتھر نکالنے کی مزدوری
میرے آٹھ بچے ہیں
انھی پتھروں سے نکالتا ہوں ان کے لیے
روٹی اور کپڑے
اور کتابیں
میں تمھارے دروازے پر نہیں آتا
اور نہ کبھی آؤں گا
نہیں، اس میں جھُنجلانے کی کیا بات ہے؟
بس مجھے جھکنا نہیں آتا

چڑھا دو ریکارڈ پر
میں ایک عرب ہوں
کسی لقب القاب کے بغیر ایک نام
صابر اور ایک ایسے ملک میں

جس میں چکرا رہی ہے ہر چیز
غصے کے بھنور میں
میری جڑیں،
ہمیشہ راستہ بنا لیتی ہیں
وقت کی پیدائش سے بہت پہلے،
تیزی سے بڑھنا شروع کر دیتی ہیں،
اس سے پہلے کہ زمانے گذریں،
اس سے پہلے کہ کاٹ چھانٹ ہو جھاڑ جھنکار کی
ہل کی اولاد تھا
میرا باپ اور اس کا خاندان
نہ تو وہ اعزاز یافتہ تھا
اور نہ ہی اس نے کی کبھی کوئی ایسی خواہش
کسی تسلسل اور نطفے کی لمبی تفصیل کے بغیر
میرا دادا ایک کسان تھا
میرا گھر
جو لکڑیوں اور جھاڑ پھونس کا تھا
اب ایک نگراں چوکی ہے
کہو تسلی ہو گئی
چل گیا پتا
کون ہوں میں اور کیا ہے میری اوقات؟
میں بس ایک نام ہوں،
ہر لقب القاب اور کنیت کے بغیر

چڑھا دو ریکارڈ پر
کہ میں ایک عرب ہوں
بال: کالے
آنکھیں: بھوری
اور نقوش میں نمایاں ہیں
ماتھے پر عقال ہے اور کفایہ کی ڈوریاں
جو چھوتے ہی خراش ڈال دیتی ہیں
میرا پتا:
میں اُس گاؤں کا ہوں،
جو اتنی دور ہے کہ یاد تک نہیں آتا
نام نہیں ہوتے جس کی گلیوں کے
اور جس کے سارے لوگ
کھیتوں پر ہوتے ہیں یا انھی پہاڑوں میں
نہیں، نہیں اس میں ناراض ہونے والی کیا بات ہے؟

لکھ لو، اس رجسٹر میں
میں عرب ہوں اور تم نے
میرے آبا ؤ اجداد کے وہ باغ اور زمینیں
ہڑپ لی ہیں
جو میرے لیے اور میرے بچوں کے لیے تھیں
کچھ نہیں چھوڑا تم نے

میرے، میرے بچوں اور ان کے بچوں کے لیے
سوائے ان پہاڑوں کے
اور لوگ کہتے ہیں
کہ تم انھیں بھی لے جانے والے ہو؟
کہاں لے جاؤ گے انھیں؟
تو لکھ لو
اپنے رجسٹر کے پہلے صفحے پر سب سے اوپر
مجھے کوئی نفرت یا بغض نہیں... کسی سے
میں کسی دوسرے کی ملکیت میں دخل اندازی نہیں کرتا
لیکن اس کے باوجود بھی اگر مجھے بھوکا رہنا پڑا
تو میں غاصب کا گوشت کھانے سے بھی گریز نہیں کروں گا
بس اسی لیے کہتا ہوں: ڈرو
ڈرو میری بھوک سے اور... اور خبردار رہنا
میرے غصے سے

بانسری کہتی ہے

بانسری کہتی ہے:
کاش میں دمشق سے گذروں
ایک گونج کی طرح

اُس کے ساحلوں پر خوابیدہ ریشم
اور چیخوں میں خمیدہ
میری رسائی سے کہیں پہلے وہ مر چکا ہوگا،
فاصلہ،
آنسوؤں کی طرح گرتا ہے

بانسری بلاتی ہے
وہ آسمان کو ایک عورت سے
اور عورت کو
ایک سڑک سے تقسیم کرتی ہے
تا کہ ہمیں الگ کر دے ایک دوسرے سے

کیا میں نے ساری مصیبت رائیگاں کاٹی،
کیا میں نے توڑا پہاڑ کے پتھروں
اور محبت کے پہلے سیب کو

فاصلے کی تلوار پکارتی ہے:
دمشق
میری جان!
میں محبت کرنا اور ٹھہرنا چاہتا ہوں

بانسری مجھ پر کچھ اور مہربان ہو،

اگر میں دمشق سے
ایک گونج کی طرح بھی گذر سکا،
اور اگر میں تیرے آنسوؤں کی زبان بن سکا
تو میں دمشق کو بھی پالوں گا

ریت

بے انت ہے سوچ کا مقام
اور عورت
کیا ہم قبر تک جاری رکھیں
تیری تلاش؟

ابتدا میں درخت تھے عورتیں
جو بنی تھیں لفظوں اور پانی سے

کیا زمین بھی مرتی ہے
جیسے مرد مرتے ہیں؟
کیا اسے بھی لے جائے گا
اپنی چونچ میں اُٹھا کر کوئی پرندہ
کسی خفیہ مقام پر بونے

میں ہی اوّل اور میں ہی ہوں آخر

ریت ہے خیال
ریت ہی ہے خیال کا تصور
ریت ہے
فراموش قاتل اور بہار
ہر پہلو سے معجزانہ

ریت ہے
ریت ہی سے بنا ایک مُلک
جس میں کھو چکا ہوں میں
اپنی عورت اور دماغ

آئندہ میں نمو پانے والے ہر درخت کی صورت
گھروں جیسے دکھائی دیتے بادل
سمندروں اور نیندوں کے لیے کم وبیش
ایک ہی رنگ
مجھے سب لگتے ہیں ریت کی سلطنت
اس کے باجود، پانی کا تیز بہاؤ
ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے مجھے
ایک احمق پرندے کی طرح

ریت میں دم گھٹتا ہے تو خیال آتا ہے
تیر ہی ہے میری پسلی

ریت میں کھودیے ہیں میں نے
اپنے لفظ، اپنی عورت

اس ریت کے باجود
ڈھونڈ لیتے ہیں اپنا راستہ
محبت کرنے والے
انھیں مل جاتا ہے خفیہ دریا
اور وہ ایک دوسرے سے کہتے ہیں:
کتنا محدود ہے
اس ریت کا پھیلاؤ

ریت!
میں ہوں شروعات اور میں ہی ہوں اختتام

اپنے والد کے بارے میں

اُس نے چاند کے سامنے نظریں جھکائیں
مٹھی بھر مٹی اور

بارش سے خالی آسمان سے
دعا کے لیے جھکا
اور مجھے سفر سے منع کیا

بجلی کے کوندے نے وادی کو روشن کر دیا
قدیم وقتوں سے میرے والد
انھی کوندوں میں پتھروں کی پرورش
اور درختوں کو خلق کرتے آئے ہیں
ان کی گرویدہ جلد
آہستہ آہستہ برف جیسی شبنم بکھیرتی ہے
ان کے ہاتھوں نے پتھروں میں پتے اُگائے
اور افق نے ایک گیت گریہ کیا

اوڈیسیس ایک سردار تھا
اُس کے گھر میں تھی روٹی
شراب اور کمبل
گھوڑے اور جوتے

ایک بار میرے والد نے
پتھروں پر عبادت کرتے ہوئے کہا:
چاند کے سامنے اپنی آنکھیں نیچی رکھو
دور رہو سمندر اور سفر سے

اُس نے کہا:
ایک روز جب خدا اپنے خادم کو کوڑے لگا رہا تھا
میں نے کہا:
ہمیں چھوڑ دینا چاہیے اِس خدا کو
مبارک دکھائی دیتے اِس چہرے کو ۔

یہی کہا تھا میرے والد نے
اپنے محنتی بازو نیچے گراتے ہوئے:
افتادگان سے اس مکالمے کے دوران
ایوب اُس خدا کا شکر ادا کر رہا تھا
جس نے کیڑوں کو پیدا کیا اور بادلوں کو
اُس نے کسی بُت یا مُردے کے لیے نہیں
صرف میرے لیے پیدا کیا زخم
اِس لیے زخم اور اُس کی تکلیف کو چھوڑ و
اور میری مدد کرو
تا کہ پشیمان ہوسکوں

ایک سیارہ افق سے ٹوٹ کر گرا
اور آتا گیا نیچے سے نیچے
میری قمیض
آگ اور ہوا کے درمیان اٹک گئی

میری آنکھیں
گرد میں بنتی تصویروں پر غور کر رہی تھیں

ایک بار میرے والد نے کہا تھا:
جس آدمی کا کوئی وطن نہیں ہوگا
اس کی زمین پر کوئی قبر بھی نہیں ہوگی
اور اُس نے مجھے منع کیا تھا، سفر سے

مصر میں المتنبّی کا سفر

نیل کی اپنی رو ہے
اور میں رخصت ہو رہا ہوں

بہت جلد
میں ان زمینوں سے گذر جاؤں گا،
جنھوں نے مجھ سے میرا نام تک چھین لیا
میں حلب سے آیا ہوں،
لیکن واپس بغداد نہیں جاؤں گا
شمال کا زوال ہو چکا ہے
اور مجھے کوئی راستا نہیں سوجھتا
جو مجھے لے جائے، خود میری طرف

یا مصر کی طرف

کہیں دور سے آ رہی ہے ہنہناہٹ
نہ تو گھوڑا دکھائی دیتا ہے اور نہ ہی سوار
سفر میں دوچار ہوں ایک اور سفر سے
مجھے یہاں نہ تو کہیں ملک دکھائی دیا ہے
اور نہ ہی شہری

زمین تنگ ہے
تیز دھار تلوار سے بھی
کہیں زیادہ تنگ
زمین کشادہ ہے
کسی پیغمبر کے خیمے سے بھی
کہیں زیادہ کشادہ
لیکن مجھے
نہ تو کوئی اپنے پیچھے دکھائی دیتا ہے اور نہ کوئی اپنے آگے
تنہا ہو گیا ہوں اس ہجوم میں

میرا ملک تو ہے میری تازہ نظم
میں اپنی طرف چلتا ہوں
تو گاؤں مجھے باہر دھکیل دیتے ہیں
میں آئینے توڑتا ہوں اور کرچی کرچی ہو جاتا ہوں

میں دیکھتا ہوں
تو میں بانٹی جا رہی ہیں ٹوکنوں کی طرح
میں دیکھتا ہوں: غلامانہ جنگوں میں
غلام ہی کھا رہے ہیں
اور غلام ہی کھائے جا رہے ہیں

ہر خم میں دیکھتا ہوں ایک اور خم
ہر موڑ میں ایک اور موڑ

میرا ملک ہے میری تازہ نظم
رات ہے میرے لیے اور یہ خواہش
کہ کوئی آبنوسی محبوبہ ہو
جو مجھے پھاڑ کر دھجی دھجی کر دے
نیل کے اس کنارے کہیں بھی نہیں
درختوں کے جُھنڈ
جو دلفریبی کا لالچ دے سکیں، نیند ہی میں
جب میں اپنی طرف چلتا ہوں
تو گاؤں مجھے باہر دھکیل دیتے ہیں

مصر میں بھی کہیں نہیں، مصر
جب میں نے اُسے ڈھونڈا
تو مجھے ملا ہے صرف خالی پن

نیل کی اپنی رو ہے
اور میں رخصت ہو رہا ہوں

مصر!
کیا میں پتھر ہوں؟
کیا تجھ تک پہنچ سکے گی، میری پشیمانی
اس خشک موسم میں؟
میرے قدم ہیں، میرے خیال
اور خون ہے میری گرد
سب کے لیے
تو نے کھلا چھوڑ دیا ہے دریا
جو بھی کشتیوں سے اترتا ہے
ہاتھی دانت سی چکیلی
تیری رانوں کے تخت پر جا بیٹھتا ہے
کیا تخت تھا
یہاں پانی سے بھی پہلے؟

وہ آتے ہیں اہرام کو پامال کرنے
میں نہتا اور بے عمل ہوں
لیکن یہ جانتے ہوئے بھی
ہر بار میں نے ضرور کی ہے
تیرے لیے رونے کی کوشش

اس کے باوجود تو مجھے چھوڑ دیتا ہے
اور دشمنوں سے جا ملتا ہے
تو نے دریا کو بھی کھلا چھوڑ دیا
تا کہ میں ڈبو دوں خود کو
اسی نیل میں

میری بیٹیوں کو اغوا نہیں کر سکے گا
یہ مشرک و بے دین پادری
اور نہ ہی بنا سکے گا
وہ ہمارے کفنوں سے بینر

تم جنوب کو جاتے ہو
ننگے پاؤں کپاس چننے
کسانوں اور زمین کے درمیان فرق کو
شہر بدر کر دیا ہے خامشی نے
کیا مصر چھوڑ گئے ہیں تمام شاعر؟

خدا کی زمین تنگ ہے
اور کہیں زیادہ تنگ ہے
اس زمین سے کہیں سُرخ ریت کا یہ قالین

مقبرہ ہے مصر کا آقا،

اور اس مقبرے کے سائے میں سوتا ہے، مصر

ہر بار کہتا ہوں،
اسے بھول جاؤں گا
وہ میری روح کو اُکساتا ہے
اور پورے شام کو غیر بنا دیتا ہے
اور ہر عورت کو جسے میں چھوتا ہوں
یادداشت میں تبدیل کر دیتا ہے
وہ میرے قدموں کو راستا
یا شعلہ نظموں کی طرف رخصتی کی ابجد
میں تبدیل کر دیتا ہے

میں حلب نہیں جاؤں گا
دور رہنے کے لیے
میں نے اُس سڑک ہی کو بھلا دیا ہے
جو لے جا سکتی ہے حلب کی طرف
نیل کی اپنی رو ہے
اور میں بھی ہو رہا ہوں، رخصت

تیرے تمام چاہنے والوں کو
لاپتا کر دیتی ہے، رخصتی

ہمارے حروف تہجی پر
پھیلے ہوئے ہیں، رومی
چیخ رہے ہیں غریب
ہمارے حروف تہجی کے درمیان

میں ہی ہوں قلعہ
اور میں ہی ہوں محاصرہ

میں ہی ہوں، پُرشکوہ سیڑھیوں پر
ناموں کی مماثلت

اس نیل کو کیا ہوا ہے؟
کیوں نہیں لے گیا وہ
میرے آنسوؤں کو
اپنی اچانک گہرائیوں میں؟
کیوں نہیں پسند کیا اُس نے
مجھے اپنی اچانک بہار
اور شاہانہ غصے سے نوازنا؟
مصر کی خاموشی مجھے توڑ دیتی ہے
یہ ہے اُس کا غلام شہزادہ
اور یہ رہے اُس کے فاقہ کش
میں محل کو ایک خواب بیچوں گا

اور ایک گیت سے
ڈھیر کر دوں گا، محل کو
میں لیٹ جاؤں گا زخموں اور ہوا کے سامنے
اور میں ... بکا ہوا نہیں ہوں

پھیل گئے ہیں ہمارے حروف تہجی پر
انھیں کسی تلوار نے تتر بتر نہیں کیا
تمام تلواریں تو ہیں میرے لیے
واپس دو مجھے میرے نام
میں ہی ہوں قاتل
اور میں ہی مقتول
واپس دو مجھے میرے نام

سرحان

کیفے ٹیریا میں سرحان کافی پیتا ہے
وہ آتے ہیں
یہ سمندر ہمارے دروازے ہیں
ہمیں بارش نے حیران کیا
نہیں ہے خدا لیکن خدا
بارش نے ہمیں حیران کیا اور گولیوں نے

یہاں زمین قالین ہے،
اور ان کی آمد جاری ہے

دن کے بارے میں تم کچھ نہیں کہہ سکتے
نہ تم اُس کا رنگ بتا سکتے ہو
نہ ہی ذائقہ اور آواز
تم تو اُس کی شکل بھی نہیں جانتے
سرحان پیدا ہوتا ہے، سرحان بڑا ہوگا
وہ شراب پیئے گا اور غل مچائے گا
وہ اپنے قاتل کی تصویر بنائے گا اور اُس پر آنسو بہائے گا،
جوں ہی وہ تصویر مکمل ہوگی وہ اُسے قتل کردے گا

سرحان اپنی جیکٹ کی آستین پر لکھتا ہے
اور یادداشت ایک پرندے کی چونچ بن جاتی ہے
وہ گلیلی کا غلہ کھا جاتی ہے

محبت کیا تھی؟
ہاتھ جو اپنا اظہار کر رہے تھے
زنجیریں اور جیلیں
جلا وطنوں کی پیدائش
ہم تمھارے ناموں سے لپٹ رہے ہیں
اب تک ہم آدمی ہیں لیکن پتھروں کے زمانے کے

تم ایک ملک تھے لیکن اب دھواں ہو

نئی جلاوطنی میں

پرانی زنجیریں شگفتہ گلابوں کی ہتھکڑیاں لگتی ہیں

پرانی زنجیروں میں کنوار پن ہے اور تحمل

سرحان جھوٹ بولتا ہے،

جب وہ یہ کہتا ہے کہ اُس نے تمھارا دودھ پیا ہے

سرحان اُس جہاز کے باورچی خانے میں پلا بڑھا ہے

جس نے کبھی تمھارے ساحلوں کو نہیں چھوا

تمھارا نام کیا ہے؟

میں بھول چکا ہوں

اور تمھارے باپ کا نام؟

وہ بھی بھول چکا ہوں

اور تمھاری ماں کا...؟

وہ بھی یاد نہیں

رات کو سوئے تھے؟

میں تو سو رہا ہوں ازل سے

اور سویا رہوں گا ابد تک

خواب دیکھتے ہو؟

دیکھتا ہوں

اچانک وہ چلانے لگتا ہے

تم نے وہ تیل کیوں پیا جسے تم نے
یسوع مسیح کے زخموں سے اسمگل کیا تھا؟

ہم نے دیکھا کہ اُس کی انگلیاں کچھ مانگ رہی ہیں
ہم نے دیکھا کہ وہ زنجیروں سے آسمان کو ناپ رہا ہے
زمینیں جنھوں نے لوگوں کو تبدیل کر دیا
ستارے جو کنکروں کی طرح بکھرے ہوئے ہیں
وہ گاتا ہے
ہماری نسل آئی اور ختم ہو گئی
قاتل ہمارے ساتھ پرورش پاتے ہیں
اور مقتول ہمارے ساتھ پروان چڑھتے ہیں
خون ہو گیا ہے پانی
مائیں وہ ہیں جنھوں نے دشمنوں سے شادیاں کر لیں
ہم چلاتے ہیں: گندم
گونج کہتی ہے: جنگ
ہم چلاتے ہیں: گھر
گونج کہتی ہے: جنگ
ہم پکارتے ہیں: یافا
گونج کہتی ہے: جنگ
اُس دن سے آج تک ہم نے آسمان کو زنجیروں سے ناپا ہے

سرحان ایک جہاز کے باورچی خانے میں ہنستا ہے

وہ سیاحت کے لیے نکلتا ہے اور کھو جاتا ہے
الناصریہ کو جانے والی تمام زمینیں دور ہیں
الناصریہ کے سوا تمام زمینیں دور ہیں
گیت اُس سے بولتے ہیں اور چھٹیاں اُسے تنہا کر دیتی ہیں
کافی کی خوشبو ہے اس کا جغرافیہ

انھوں نے تمھیں جلاوطن کیا
انھوں نے تمھیں قتل کیا
ہر متن کے پیچھے روپوش ہے تمھاری بات
اور انھیں آتے ہوئے دیکھتی ہے
کافی کی خوشبو ایک نازک ہاتھ ہے
کافی کی خوشبو ایک آواز ہے جو تمھیں بلاتی ہے
کافی کی خوشبو ایک شور ہے
جو بارش کے بعد، گلیوں میں قلقل کرتے ہوئے پانی کے ساتھ پیدا ہوتا ہے

سرحان جانتا ہے ایک سے زائد زبانوں اور عورتوں کو
اُس کے پاس ایک اجازت نامہ ہے سمندر چھوڑنے کا
اور دوسرا ہے سمندر میں داخل ہونے کا
وہ خون کا ایک ایسا قطرہ ہے جسے اپنے زخم کی تلاش ہے
کافی کی خوشبو ہے اس کا جغرافیہ
وہ کافی پیتا ہے اور خواب دیکھتا ہے

تم یہاں پیدا ہوئے اور وہاں رہتے ہو
تمھارے شہر کو نیند نہیں آتی،
اُس کے پاس وہ نام نہیں جو باقی رہ جاتے ہیں
تمھارے گھر اپنے باسیوں کو تبدیل کرتے رہتے ہیں
ان کی کھڑکیاں یادداشت میں داخل ہوتے ہوئے جگہیں تبدیل کرلیتی ہیں
سرحان ایک نقش بناتا ہے اور اسے منسوخ کردیتا ہے
وہ اخبار نہیں پڑھتا، تو سارے دُکھ اُس تک کیسے پہنچ جاتے ہیں؟

یروشلم کیا ہے زورِ بیان کے لیے تقریروں میں آنے والا ایک نکتہ
اقتدار کی بھوک کے لیے ایک قدم
کیا ہے یروشلم سگریٹ اور شراب کے سوا؟
اس کے باوجود وہ میرا ملک ہے
تم اُس کے خمیدہ کھیتوں اور میری ہتھیلیوں میں کوئی فرق نہیں پاؤ گے
کوئی فرق نہیں پاؤ گے تم
کارمل پر ڈھلتی اور
یادداشت میں سونے والی رات میں

وہ بادلوں کو ٹکڑے ٹکڑے کرتا ہے
اور ہوا کی طرف اُچھال دیتا ہے

میں نے کھایا، میں نے پیا، میں سویا، میں نے خواب دیکھے
میں نے ایک حرفِ علت سیکھا

وہ لکھتا ہے: ص، ط، ض، ع، ظ
اور حرف اُس کے سامنے سے غائب ہو جاتے ہیں
اُن میں سمندر کا شور تھا
اُن میں خاموشی کی جھنکار تھی
حروف ہیں دوسروں سے الگ ہماری پہچان
ہم نے انھیں جمع کرنے سے پتھرا دیا
کیا ہم لڑیں گے؟
لڑے بھی تو کیا فرق پڑے گا۔
کیونکہ عرب انقلاب تو
قومی ترانوں، پرچموں
اور کنارے تک محدود ہو گیا ہے

'تمھارے زخموں کے نام'، وہ اپنی تقریر کا آغاز کرتے ہیں
عیسیٰ بن گیا ہے ایک بیوپاری
جو اپنے بکاؤ کپڑوں کی نشاندہی کرتا ہے
اس خیمے کے سوا تمھارے لیے کوئی آسمان نہیں
یہ جلے گا تم جلو گے
ہم تمھارے پاس قیدی آئیں گے یا لاش
سرحان ہے جنگ اور امن کا قیدی
وہ اپنی قسمت کی تفصیلات پڑھتا ہے
اسٹرپٹیز ناچتی ٹانگوں کی عقبی دیوار پر
تمھاری ایک نہیں دو جنگیں ہیں:

تمھاری جنگ دو جنگیں ہیں

سرحان!
کیا تم قتل کرو گے؟
سرحان چپ رہتا ہے اور خواب دیکھتا ہے
وہ ایک نقشہ بناتا ہے جس کی کوئی حدود نہیں
وہ زمین کو اپنی زنجیروں سے ناپتا ہے
وہ اپنے قاتل کی ایک تصویر بناتا ہے
اُس کے نقش ابھارتا ہے
اور جب وہ آخری روپ دھارتی ہے تو اُسے قتل کر دیتا ہے

دریا اجنبی ہے

دریا اجنبی ہے، اُس نے کہا
اور اپنی گائیکی سے ملنے چلی گئی

ہم نے محبت کی زبان استعمال نہیں کی
نہ ہی دریا کو رائیگاں چاہا
لیکن رات اُس کے ملبوس سے بلند ہوئی
میرے لیے ایک بالکل انجانی رات
میں نے اُس کے نام پر پیشکش کی

اپنے خون کی پیشکش

تا کہ کچھ دیر اور رہوں اُس کے قدموں میں

کچھ دیر اور اُس کی اُسی گائیگی میں

مختصر اکیلے پن میں

پانی پر پھول

پانی پر پاؤں

ہم کہاں جائیں گے

میری جلا وطنی کے ننھے پرندے

زخم اور چاقو بن کر

کہاں جائیں گے ہم؟

کبھی کبھی شاعر پر ایک ایسا وقت بھی گذرتا ہے

جو پانی کی سطح سے کچھ بلند

اور پھانسی کی سطح سے کچھ نیچا ہوتا ہے

میں تمھیں جانے کے لیے کیسے کہوں

جب کہ تم ہی وداعوں کے درمیان

ملاقات کا ایک لمحہ ہو؟

اگر میں کہوں کہ محبت ایسے آتی ہے

جیسے موت

اگر تم موت کا انتظار نہیں کرتے
تو میں کہوں گا میرا انتظار بھی مت کرو

•

دریا اجنبی ہے
اُس نے سڑک پر قدم رکھتے ہوئے کہا
یہ کشادہ سڑکیں سب کچھ جانتی ہیں یافا کے سوا
بارش کے اُس کے قطرے کے سوا جس نے انھیں چھوا تک نہیں
اس کے سوا، ایک میں ہوں جو تبدیل ہو گیا ہوں
میں جو ان روشنیوں اور درختوں میں الجھ گیا ہوں
کیا یہ زمین جس سے میں چمٹا ہوا ہوں
کیا یہ مٹی جس میں میں رہتا آیا ہوں، سفر بن جائے گی؟
اکیلے نہیں داخل ہو سکتے ہم رات میں
کیوں تمھارا جسم کنول کے اُن پھولوں پر بہار کا منتظر ہے
جو میری قبر سے آگے تک کھِلے ہوئے ہیں؟

نئی شکل دو مجھے چاند میں،
شاید میں اپنے پیچھے
رات کو بھی جنگلوں میں بھٹکنے پر مجبور کر دوں

نئی شکل دو مجھے پتھر میں
شاید میں اُس فاصلے کو کھینچ لوں
جس پر گھوڑے بھی حوصلے ہار جاتے ہیں

زمین نے مجھے وہ آتش فشانی سکھائی
جو تمھاری آنکھوں میں غیر موجود ہے
اس لیے اب میرا انتظار مت کرو

دریا اجنبی ہے
اپنے آنسوؤں میں داخل ہوتے ہوئے
اُس نے کہا
نہ تو ویٹرس سے خوبصورت تھی
اور نہ ہی میری ماں سے ملتی جُلتی
لیکن رات اُس کی گود میں بلی کا بچہ بن گئی
اور کشادہ افق
صرف اُس کی نظروں میں پناہ لیے
شٹر سے اندر گھس آیا

جا، یافا جا، خواب بن جا
یافا رو دیا
میں ایک وقت میں پھینکا جا چکا تھا
جس میں تمام خواب ٹوٹے ہوئے گلاس کی کرچیاں تھے

یافا:
تم اُن شہروں میں نہیں ہوگے جنھیں میں تلاش کر رہا تھا

نہ ہی اُن زمینوں میں جن کی میں نے طلب کی
تو پھر میں کیوں روکوں اس بغل گیر دریا کو؟
اب تم مجھے کیوں چاہ رہے ہو؟
جیسے تم ہی ایک دریا ہو یا درمیان میں موجود عاشق،
اب تم مجھے کیوں چھوڑ رہے ہو؟
جب کہ اب میں صرف تمھارے لیے اس زمین پر قیام بڑھادوں گا
یافا روتا ہے
اور دریا مجھے ایک ربّن دیتا ہے کہ میں خود کو باندھ سکوں
جیسے آسمان اپنی صورت بھول چکا ہو
ہمیشہ
رات میں ہم
قریب پہنچتی چاپ سنتے ہیں
اور دروازہ ہمارے کمرے سے بھاگ نکلتا ہے
جیسے وہ نقل مکانی پر مجبور بادل ہو

تمھارا نیلگوں سایہ
کون چرالیتا ہے ہر رات
میرے بستر سے
تمھاری آنکھیں وہ خطے ہیں
جہاں میں کبھی نہیں جاسکا

درخت بنو،

تاکہ میں تمھارا سایہ دیکھ سکوں

چاند بنو

تاکہ میں تمھارا سایہ دیکھو سکوں

آئینہ بنو

تاکہ میں تمھارا سایہ دیکھ سکوں

اپنے سائے میں

راکھ پر پڑے پتے

رات ایک بجے کی ٹرین

بچھڑ رہے ہیں،

ایک مرد اور ایک عورت

اپنے دلوں سے پھول اتار کر پھینک رہے ہیں

اپنے سایوں کو

توڑتے ہوئے،

اپنے سایوں کو چھوڑتے ہوئے

دو سے تین ہو جاتے ہیں

ایک مرد، ایک عورت اور ایک گلی

ٹرین نہیں آتی

وہ کیفے میں واپس آجاتے ہیں

اپنے آپ سے غیر مانوس الفاظ کہتے ہیں
اور گٹار کے تاروں سے
صبح کو طلوع ہوتے دیکھتے ہیں

میں اپنے دل کے خطوں میں جھانکتا ہوں
دوستوں اور شہروں نے مجھے
میڈرڈ کے تہہ خانوں کی فراموشی میں یاد کیا

اپنی ملکیتا اور اُس کے چہرے کے سوا
میں نے اُس عورت کا کچھ فراموش نہیں کیا
میں تمھیں بُھلا دوں گا،
میں تمھیں بھلا دوں گا،
میں بُھلا دوں گا!

اگر ہمیں ٹرین کے لیے ایک بجے پہنچنے میں
کچھ دیر ہو جاتی
اگر ہم اس یونانی کیفے میں
کچھ دیر اور بیٹھ جاتے
اگر پلٹتے ہوئے پرندے ہمارے قریب سے گذرتے
اگر ہم شام کا اخبار پڑھ لیتے
تو ہم سو جاتے

مل رہے ہیں، ایک مرد اور ایک عورت

میں نے تمھیں کہا تھا...!

میں نے تمھیں کہا تھا:
مجھے خزاں سمجھو اور دریا،
میں نے تمھیں کہا تھا:
دھارے کو عبور کرو میرے بغیر،
اور میدانوں کو بھر دو اکٹھے ہو کر

میں نے تمھیں کہا تھا:
مجھے خزاں سمجھو
اپنے آپ میں مرجھانے اور اکٹھے کھلنے کے لیے

میں نے تمھیں کہا تھا:
مجھے دریا سمجھو
اس موسم سرما میں
میری یادداشت ہونے کے لیے

تمام چیزیں جو ہمیں جوڑتی ہیں،
ہمیں جدا بھی کرتی ہیں

تمام چیزیں جو ہمیں اکٹھا کرتی ہیں،
ہمیں بکھیرتی بھی ہیں
تم میرے لیے زندگی بھر کا تحیر کیسے بن سکتی ہو
جب کہ
میں جانتا ہوں، عورتیں آئینوں کے سوا
اپنے تمام عاشقوں کے لیے بے وفا ہوتی ہیں
وہ اپنے تمام عاشقوں کو بھول جاتی ہیں
سوائے ان کے جو مر چکے ہوں
میں جانتا ہوں
زمین بھی جان دینے والوں کے سوا
اپنے تمام عاشقوں کو بُھول جاتی ہے

تم خوابیدہ تھیں، جب ایک اُٹھتی ہوئی لہر نے
مجھے تمھارے پستان کے اُس کنارے سے چُرا لیا،
جہاں سے سمندر شروع ہوتا ہے

دو اجنبی
تمھارے بال، میری چھت
تمھاری ہتھیلیاں، میری آواز
تمھاری محبت، میری تلوار
تمھاری آنکھیں، دو دریا
تمھاری موجودگی، میری موت

تمھاری عدم حاضری، میری موت

وہ مجھے ملا

(راشد حسین کے لیے)

وہ مجھے ففتھ ایونیو پر ملا
شیشے کی دیوار کے سامنے وہ جُھکا
نیویارک میں بید نہیں ہوتے
اُس نے میری آنکھوں کو اشک بار کر دیا
اُسی نے دریا کو اُس کا پانی لوٹایا
ہم نے کافی پی
اور کچھ ہی دیر بعد جُدا ہو گئے

پچھلے بیس سال سے
میں اُسے چالیس کا جانتا ہوں
ساحلی نغمے کے طرح لمبا
وہ شراب کی تندی کی طرح ہمارے قریب آیا
اور دُعا کے اختتام کی طرح رخصت ہو گیا
کرسٹوز ریستوران میں
وہ اس طرح نظمیں سناتا
جیسے ساری زمین ابھی سمندر پر چلنے کے لیے

جاگ جائے گی

اُس کے پاس گلاب تھے اور اُس کے پاس زنجیریں تھیں
خود اُس کے اپنے ہی زخموں کے سوا
خاردار تاروں کے ادھر کوئی چیز اُسے تکلیف نہیں دیتی تھی

عشاق گذریں گے
اور ایک دوسرے سے ملاقاتوں کے وعدے کریں گے

وہاں ساحل تھے
جنھیں ہم نے چُرالیا
وہاں جنگلی انگور تھے
جنھیں ہم نے چکھا
وہاں نیلی جڑی بوٹیاں تھیں
جو چلّائیں
اور ہم بھی اُن کے چیخوں میں شامل ہو گئے

ہم نے تمام گیتوں کو توڑ دیا
اور خود بھی ریزہ ریزہ ہو گئے
آنکھوں کی نظروں سے
ہم لڑے اور مارے گئے
جب کہ

سور ما آئے اور لوٹ گئے

ہر ناکامی پر

ہم نے گائیک کی خاموشی کو

بالآخر نیلا پڑتے دیکھا

وہ اپنا ہی گوشت

مچھلیوں اور پرندوں کو ڈال رہا ہے

ہر طرف، پچھلے بیس سال سے

جنوبی فلسطین کے

دو خدا پرست

کسانوں کا بیٹا

بڑے بڑے پاؤں

زرد آواز

اور پہچانے جانے کی حد تک گندمی

اور کسی بھی تتلی کی طرح غریب

وہ جیل کے دروازوں سے

کہیں آگے تک دیکھ سکتا ہے

وہ آرٹ کے لیے درکار مشاہدے

سے زیادہ قریبی مشاہدہ کر سکتا ہے

وہ ہمیں بھی دیکھ سکتا ہے

اور ہماری پناہ گزینی کے کارڈ بھی

کیفوں اور زبان میں سادہ
وہ بانسری پسند کرتا ہے اور بیئر
اُسے مرغزاروں کی نثر پسند ہے

گندم کی شاعری
الوہی سیاہی
اور پولیس کی سوال بازی سے بچنے کے لیے
وہ صرف سنیچر کو
اپنے خاندان والوں سے ملنے جاتا ہے
اُس نے اپنی ابتدائی نظموں کی
صرف دو کتابیں چھپوائیں
اور باقی سب ہمیں دے گیا

...نیویارک پر نکلنے والے سورج کی طرح زرد

کہاں سے ملے گا دل کو گذارنے کا راستہ،
اسفالٹ کی اس لکڑی میں،
کہیں کوئی جگہ ہے،
فاختہ کے پروں کے لیے؟

خالی ہے میرا میل بکس

یہاں نہ تو صبح کسی کو ڈستی ہے
اور نہ ہی اس ہجوم پر کوئی ستارہ جلتا ہے

مختصر ہیں میری شامیں
اور میری محبت کا جسم ہے کاغذ
جسے کوئی میری ان شاموں کے گرد نہیں لپیٹے گا
جو دریا بننا چاہتی ہیں اور بادل
کہاں سے گذرے گا دل؟
کون اٹھائے گا اِس خواب کو
جو بینک اور اوپیرا ہاؤس کے باہر آ گرا ہے؟
سوئیوں کا ایک آبشار ہے
جو میری قدیم خواہشوں کو ڈبو دیتا ہے

اب میں خواب نہیں دیکھتا
مجھے خواہش کی خواہش ہے
نہیں، یہ میرا وقت نہیں ہے۔
مجھے خود سے ملنے کے لیے میرے اعضا دے دو
اور میری ہوا دے دو
کہ اُس کے ساتھ چلا جاؤں

ایک کیفے سے دوسرے کیفے تک
مجھے ایک اور زبان کی ضرورت پڑتی ہے

مجھے وہ فرق چاہیے
جو آگ اور یادداشت کے درمیان ہوتا ہے
مجھے میرے اعضا دے دو کہ میں خود سے مل سکوں
اور میری ہوائیں کہ اُن کے ساتھ چلا جاؤں

اب جب میں یافا سے دور ہوں
تو نظمیں کیوں مجھ سے دور ہوگئی ہیں
اور یافا غائب کیوں ہوجاتا ہے،
جب میں اُسے چھونے کے لیے ہاتھ بڑھاتا ہوں؟

نہیں یہ میرا وقت نہیں ہے
وہ ففتھ ایونیو ڈاؤن پر غائب ہوا
یا قطب شمالی پر
مجھے تو صرف یاد ہیں، اُس کی آنکھیں
جن میں شہر آتے اور جاتے ہیں،
اور اُس کا غائب ہونا

کوئی سال بھر میں ہم پھر ملے
قاہرہ کے ہوائی اڈے پر
کاش میں الناصریہ میں ہوتا
چاہے مجھے ڈال دیا جاتا جیل کی کوٹھڑی میں

وہ ایک ہفتے سوتا
اور دو دن جاگتا
وہ کچھ بھی نہیں پیتا تھا لیکن
کافی کا رنگ

ہم اپنے ماضی میں زینہ بہ زینہ اترے
وہ زمین جو ہمارے خون میں جراثیموں کی طرح رینگتی ہے
دوستوں کی موتیں
اور اُن کا ذکر جو ہمارے شب روز کے شریک تھے
پھر ہم بچھڑ گئے

انھوں نے ہم سے وہ محبت نہیں کی
جو ہم اُن سے چاہتے تھے
انھوں نے ہم سے محبت نہیں کی،
لیکن وہ ہمیں جانتے تھے

وہ جب بھی جاگے گا گریہ کرے گا
اور جب بھی گریہ کرے گا
بیدار ہو جائے گا
زندگی میرے بہت قریب سے گذری
اور میں نے اُس کا جوہر تک کھو دیا

وہ تیل کی گہرائیوں میں
غروب آفتاب کے ساتھ معدوم ہوا
میں نے اُس کے لیے ایک نظم لکھی
'ایک شاہ بلوط کی تدفین'

میری مسلسل خودکشی
کیا ہم ایک بار پھر بچھڑنے سے آغاز نہیں کر سکتے
کیا تم گلبلی کے پودوں اور ایک مقتول کے شعلے کی طرح
دمک نہیں سکتے
وہ غائب ہو گیا

ففتھ ایونیو پر ہماری سلام دعا ہوئی،
وہ سیمنٹ کے فوارے کے سامنے جُھکا
نیویارک میں بید نہیں ہوتے،
کیا ہم دونوں میں سے کوئی مر چکا ہے؟
نہیں،
کیا تم تبدیل ہو گئے ہو؟
نہیں،
کیا سفر اب بھی سفر ہے
اور اُسی طرح ہیں بندرگاہیں،
ہمارے دلوں میں؟

ابھی تک تو یہی ہے
کہ وہ دُھند کی جھیل میں
ایک ہرن کی طرح لاپتا ہوا تھا

نہ تو وہ وقت کے بارے میں جانتا تھا
اور نہ ہی پوچھتا تھا
نہ ہی وہ اُن درختوں کی طرح اوپر اٹھنے پر یقین رکھتا تھا
جو مین ہٹن کی دسویں منزل پر
اُس کے فلیٹ کی کھڑکی کے نیچے پڑتے تھے
اُس کا سارا دھیان
اپنی گھنٹی کی خفیہ آواز اور
ایک اور موسم سرما دیکھنے پر ہوتا تھا

کیا ہم ہمیشہ ایسے ہی رہیں گے
اس نارنجی دن میں
اندر سے باہر جاتے
تاکہ اپنے تاریک اور بکھرے ہوئے باطن
کو چھو سکیں

میں زمین کا بوجھ اٹھاتا ہوں
لڑکیوں نے میری روح لی اور چل دیں
پرندوں نے پہلے تو میری آواز میں گھونسلا بنایا

پھر اُسے توڑا اور اُڑ گئے
اُن کی گائیگی نے مجھے بکھیرا
اور لاپتا کر دیا

نہیں یہ میرا وقت نہیں ہے

نہیں یہ میرا وقت نہیں ہے
لفظ
جب میرے لفظ گندم تھے
میں زمین تھا
جب میرے لفظ غصہ تھے
میں طوفان تھا
جب میرے لفظ چٹان تھے
میں دریا تھا
جب میرے لفظ شہد بن گئے
مکھیوں نے میرے ہونٹوں کو ڈھانپ لیا

سمندروں سے محبت

میں سمندروں سے محبت کرتا ہوں، تو کرتا ہوں
میں زمینوں سے محبت کرتا ہوں، تو کرتا ہوں

لیکن اس کے باوجود
یافا میں
کسی ایک پرندے
کے پروں پر گرنے والا
پانی کا ایک قطرہ
میرے اُن تمام گناہوں کو
دھوسکتا ہے
جو میں کر سکتا ہوں

گلیلی میں پرندوں کی موت

ہم جلد ملیں گے
سال بھر میں
دوسال میں
سولہ سال میں
اُس نے اپنے کیمرے میں بھر لیے
بیس باغ اور گلیلی کے پرندے
اور آگے بڑھ گئی
سمندروں سے آگے
موت کے نئے معنی ڈھونڈنے
خون سے تر ہوتے رومالوں کے لیے

میرا گھر الگنی ہے
میں ساحل پر دراز ہوں
ریت اور کھجور کے درختوں کے ساتھ
اور ریٹا یہ نہیں جانتی
وہ کبھی نہیں جان سکے گی کسٹم کے دروازے پر
میں نے اور موت نے اُسے تھما دیے
مرجھائی ہوئی محبت کے راز،
موت اور خود اپنا آپ،
لہٰذا، اُسے وہ سب کچھ چھوڑ کے جانا پڑے گا
جو بن سکتا ہے گندم: زمین کی پلکیں
جس سے بنتے ہیں آتش فشاں
یاسمین کا ایک اور نام

مجھے کوئی چیز نہیں تھکاتی رات میں
ریٹا کی خاموشی کے سوا
جب وہ دروازے کے آگے پھیلتی جاتی ہے
گلی کی طرح، سڑک کی طرح
اور پرانے شہر کی طرح

خدا کرے ایسا ہی ہو
جیسے تم چاہتی ہو
ریٹا! وہی کرو جو تم چاہتی ہو

خاموشی کو کلہاڑا بنا لو یا
ستاروں کے لیے ایک فریم یا
درختوں کے لیے زہ کے درد کا مقام
چھریوں کی تیز دھار سے
میں گھونٹ گھونٹ پیتا ہوں بو سے
آؤ، تم بھی شامل ہو جاؤ
اس ہلاکت خیزی میں

غیر ضروری کاغذوں کی طرح گرتے ہیں
کنویں میں پرندوں کے جُھنڈ
اور جب میں نیلے پَر جمع کرتا ہوں
تو دکھائی دیتی ہے ایک قبر
بڑھتا اور پھیلتا جاتا ہے، جس کا کتبہ

اوہ ریٹا!
میں وہ آدمی ہوں جس کی جلد پر
زنجیریں بناتی ہیں ایک ملک کا نقشہ

عورت

اپنی گود میں بحیرہ روم رکھنے

والی عورت
تم واحد چیخ ہو
خامشی کا واحد مقام

مل گئی ہے میری آواز میں مری کھال
اور کھال میں میری آواز
میری کھڑکیوں کے درمیان

اور تاریکی تعین کے بغیر آتی ہے
میں تمھارے مقام کو دیکھتا ہوں اور پھر اپنے آپ کو
تم واحد گائیگی ہو
تم مجھے اُس وقت بھی گاتی ہو
جب میں بالکل چُپ ہوتا ہوں
اور تم ہو واحد خاموشی

بیروت

پتھر کی تتلی
آئینے میں روح کا عکس
سراپا تھکن، بیروت
گندم کی مردہ ڈالی پر بالی

مجھ سے میری عورت تک کے فاصلے کے درمیان
ایک ستارے کی آوارگی
میں نے نہیں سنا کہ اس سے پہلے میرا خون
اپنی محبوبہ کے نام پر اس طرح بولا ہو
جیسے وہ اب بولا اور سویا ہے، بیروت

اپنے ہی زوال کے ذائقے سے
ہم نے پائے اپنے نام
نارنگیوں کی شکل میں

ہم جنوب سے آرہے ہیں
جیسے ہم اپنے اجداد ہوں
اور یوں بیروت پہنچ رہے ہوں
جیسے ہمیں ہی پہنچنا ہو
دھیمی بارش میں ہم جھونپڑیاں بناتے ہیں
جیسے اونچی گھاس میں چیونٹیاں بل بناتی ہیں
اور پھر سو جاتے ہیں،
بیروت کی امیدیں، جو یافا بھی ہیں اور ستارہ بھی

بے ریڑھ کے وقت میں ہم تھے غلام
آقاؤں نے ہمیں ہمارے خاندانوں کی طرف اچھالا
ہم گرے تو ہمارے سرپرست گانے لگے،

انھوں نے کہا:
تخت کے حکمراں کی طرف سے
مقبرے کے حکمراں کے لیے
بے ریڑھ کے وقت میں، ہم تھے غلام
ہم اُن کی آخری خواہش نہیں جان سکے
لیکن ہمارا خون

ہم نہیں بتا سکتے
کس بات نے بنایا شاہ کو مقبول
اور محافظ کو کیا قدرے کم آگ بگولا
ہم ابھی تک ایک بھی چیز ایسی نہیں ڈھونڈ سکے
جو ہماری شناخت بن سکے
دیوار پر پڑے خون کے ان چھینٹوں کے سوا
ہم بہت آہستگی سے گنگناتے ہیں
بیروت ہمارا خیمہ
بیروت ہمارا ستارہ

آہستہ خرام سمندر پر کھلتی ایک کھڑکی
ایک بل کھاتی دلکش گلی
ایک قدیم دُھن
اپنے بارے میں لکھی جانے والی کسی بھی نظم سے خوبصورت
اور کسی بھی تقریر سے کہیں سادہ

شہروں کی ختم نہ ہوتی شکایتیں

اور نئی ابجد

بیروت ہمارا واحد خیمہ

بیروت ہمارا واحد ستارہ

ہم نے خود کو اُس کے بید کے درختوں پر پھیلا لیا
تا کہ اُن جسموں کو ناپ سکیں
جنھیں سمندر نے گھس کر پھینک دیا

اپنے بچپن کے ناموں سے

ہم بیروت میں داخل ہوئے،

جنوب میں جگہ تلاش کرتے

ایک ایسے جہاز کو تلاش کرتے جس میں دل سما سکیں

دل پگھلے تو پگھلتے ہی چلے گئے

ہم نے خود کو کھنڈروں پر پھیلا لیا

تا کہ شمال کے وزن کو

زنجیروں کے بوجھ سے تول سکیں

سائے بے سایہ ہو گئے

انھوں نے ہمیں توڑا اور منتشر کر دیا

ایک درخت سے ہم آغوشی کے لیے

طویل ہو گئے سائے

ہم مردہ جسموں کے گچھے ہیں
جو اُس کی شاخوں سے لٹکے ہیں
ہم ان زمینوں سے آئے ہیں
جنھوں نے ہماری نفی کی
ہم پُرشکوہ زبان
اور تھکن سے آئے ہیں
یہ منتقلی حکمراں کے محل سے
جیل میں ہماری کوٹھڑیوں
اور ہمارے پہلے خواب سے
راکھ تک پھیلی ہے
اس لیے
ہمیں ایک چھوٹی سے دیوار دے دو، بس
ایک چھوٹی سی دیوار
جس پر ہم کھڑے ہو سکیں اور چلا سکیں
بیروت ہے ہمارا آخری خیمہ
بیروت ہے ہمارا آخری ستارہ

تمام خلاؤں میں پھیلا ہوا ہے
ایک ست خلائی خرام
خلیج سے جہنم تک
اور جہنم سے خلیج تک
دائیں سے بائیں اور دائیں سے

معتدل درمیانے تک
لاکھوں کے لیے لٹکا ہوا ہے ایک درخت

بیروت
کہاں ہیں وہ قرطبہ کے چھتنار؟
مجھے ایک بار سے زائد جلاوطن نہیں کیا جاسکتا
نہ ہی میں تم سے محبت کرسکتا ہوں
ایک بار سے زائد
کچھ نہیں دیکھا میں نے سمندر میں
سمندر کے سوا

بیروت
دلوں کی گواہی
میں اس کی گلیاں چھوڑتا ہوں
تو خود سے دستبردار ہوتا ہوں
جیسے مجھے کسی ایسی نظم نے پکڑ لیا ہے
جو کبھی ختم نہیں ہوگی
میری آگ بجھنے والی نہیں
فاختائیں اوپر چھت پر ہیں
میں شہر کو عبور کرتا ہوں
جیسے وہ ہوں میرے اپنے کاغذ
میں انھیں اٹھالے جاتا ہوں

بادلوں سے بھرے ہوئے برتن کی طرح
میں جاگتا ہوں،
اور خود اپنے ہی جسم پر پہنے ہوئے لباس کو دیکھ کر
ہنستا ہوں
ہنستا ہوں اور خود سے کہتا ہوں: ابھی ہم زندہ ہیں
ہوا کے لیے،
میں تنگ گلی کو کھول دیتا ہوں،
قدموں کے لیے
اور گرم روٹی بیچنے والے پیشہ ور کے لیے

بیروت کی مہربانی ہے کہ وہ
اب بھی دُھند میں سر اٹھائے کھڑا ہے
شکرگزار ہونا چاہیے ہمیں بیروت کا
وہ کھنڈرات میں بھی پُرشکوہ ہے

غاصب مجھے ایک نظم کی طرف دھکیلتے ہیں
میں ایک ایسی زبان ساتھ لے جاتا ہوں،
جو بادل کی طرح نرم ہے
تمام راستے میں
پڑھنے اور لکھنے کے لیے
سمندر نے اپنی آنکھیں ہمارے ساتھ چھوڑ دیں
اور واپس سمندر میں چلا گیا

ایک پتھر سے بنائی ہے
انھوں نے ایک علیحدہ قوم
اسی طرح بنائیں گے ہم بھی عشاق کا ملک،
ایک پتھر سے
اور میری آواز سے
ابھرتا ہے دھیما دواعیہ
رٹے رٹائے محاوروں میں ڈوبتا ہے یہ شہر
تلوار پر اُبھرتا ہے زخم
اور دونوں مجھے کاٹنے کے لیے قریب آتے ہیں

میں سیڑھیاں اترتا ہوں
جو تقریباتی دالانوں میں ختم نہیں ہوتیں
میں سیڑھیاں اُترتا ہوں
جو نظموں پر ختم نہیں ہوتیں
صرف آرزوؤں کے لیے
میں دمشق کی طرف بڑھتا ہوں
شاید مجھ پر کوئی تصور آشکار ہو
شاید گھنٹیوں کی آواز اس وقت تک گونجے
کہ مجھ پر شرمندگی غالب آجائے

لفظ گھمنڈی ہو جاتے ہیں

جب وہ اپنے بولنے والوں کو تبدیل کر دیتے ہیں
الوداع اُس تمام کو جو ابھی رونما ہونا ہے
وہ صبح جو طلوع ہو گی
اور ہمیں بھی طلوع کرے گے
وہ شہر جو ہمیں دوسرے شہر واپس کر رہے ہیں
خمیدہ تلوار اور ہتھیلی الوداع
ہمارا سفر ہمارے زخم کے ساتھ طویل ہوتا ہے

میں فاختہ کو ایک ایسے دل سے پرواز کرتے ہوئے دیکھتا ہوں
جسے ماضی نے جلا دیا
وہ پرواز کرتی ہے ایک اور دل کی طرف،
بھوری اینٹوں سے بنی ایک چھت کی طرف
کیا جنگجو اس راستے سے گذریں گے؟
کیا بموں کے یہ ٹکڑے کینے کی پلیٹیں بھی توڑ دیں گے
میں دیکھتا ہوں
تو میں بادشاہوں
اور خاکی پوشوں کے پُر قوت ہونے پر انحصار کرتی ہیں
میں دیکھتا ہوں
شہر اپنے نئے فاتحوں کی تاج پوشی کر رہے ہیں

بعض اوقات مغرب مشرق کے خلاف ہوتا ہے
اور مشرق ہوتا ہے مغرب بھی

اپنے تصور میں بھی اور اپنے اسباب میں بھی
میں دیکھتا ہوں
شہر اپنے نئے فاتحوں کی تاج پوشی کر رہے ہیں
میں دیکھتا ہوں ۔
حکمراں شہیدوں کی برآمد کریں گے
تاکہ درآمد کر سکیں بیئر
تشدد اور جنسی قوت کے لیے درکار نئے آلات

میں دیکھتا ہوں کہ شہر اپنے عاشقوں کو
لوہے کے درختوں سے لٹکا رہے ہیں
ہم اپنے پیچھے کیا چھوڑ رہے ہیں، بس یہ جیل؟
قیدیوں کے پاس اور کیا ہوتا ہے چھوڑنے کے لیے؟
ہم بڑھتے ہیں، ایک دور دراز نغمے کی طرف
یا آزادی کی طرف
ہم زمین کی خوبصورتی کو چھوتے ہیں
اپنی زندگی میں پہلی بار
یہ ہے نیلگوں صبح
انجیر کی طرح
ہم اس کی ہوا کو چھو سکتے ہیں اور چکھ سکتے ہیں
ہم اٹھتے ہیں
ایک
تین

سو، ہزار
ہم جاگتے ہیں، سوئے ہوئے لوگوں کے نام
اس وقت پر
اس صبح پر، ہم اپنی پہلی نظم مکمل کرتے ہیں
ہم ساری درہمی کو دور کرتے ہیں
اور زندگی کی خیر مانگتے ہیں
اور ان کے لیے خیر مانگتے ہیں
جو ابھی زندہ ہیں
بالبک پر ہے چاند
بیروت پر ہے خون
ہیئت کی بے معنویت سے
معنی کی بے ہیئتی تک
کیا بیروت ایک آئینہ تھا کہ ہم توڑ سکتے
اور کرچیوں کے ذریعے اُس میں داخل ہوتے
یا ہم خود آئینے تھے
جنھیں صبح کی ہوا نے توڑ ڈالا؟

کیا چرچ تبدیل ہو جائے گا
جب پادری بھی اپنی خاکی وردی پہن لے گا
یا وہ بھی ایک شکار ہے جسے تبدیل ہونا ہے
کیا چرچ تبدیل ہوگا
یا وہ بھی ہم ہی ہوں گے

جنھیں تبدیل ہونا ہوگا؟

ہم بموں کے درمیان چلتے ہیں
سڑکیں ہمارے گرد دائرہ بنا لیتی ہیں
کیا تم موت سے مانوس ہو؟
میں زندگی
اور کبھی ختم نہ ہونے والی خواہش کا عادی ہوں
کیا تم مرنے والوں کو جانتے ہو؟
میں محبت کرنے والوں کو جانتا ہوں
ایک گولی ہمارے سروں پر سے گذرتی ہے
ہم جنگ کی تفصیلات جمع کر رہے ہیں
کیا ہم تمام نظمیں رائیگاں بناتے ہیں،
اور کیا جنگ ان نظموں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے گی؟
ہم ایک پتھر کا آہنگ جاننے کی کوشش کرتے ہیں
لیکن ہمیں کچھ سنائی نہیں دیتا
شاعروں کے اپنے قدیم خدا ہیں

ایک بم کہیں قریب ہی پھٹتا ہے
اور ہم کچھ پینے کے لیے ہوٹل میں داخل ہوجاتے ہیں
مجھے رامبو کی خاموشی پسند ہے
اس کے لفظوں میں افریقہ بولتا ہے
میں نے کوافی کو کھو دیا

اس نے مجھے متنبہ کیا تھا
اسکندریہ چھوڑ کر مت جانا
کافکا کو میں اپنی جلد کے نیچے سویا ہوا پاتا ہوں
گھڑیال نے کچھ بجایا ہے
پولیس ہمارے اندر ہے
افق پر تم کیا دیکھتے ہو؟
ایک اور اُفق اور اس سے آگے ایک اور...
محصور تو ہم تھے
سمندر سے اور مقدس کتابوں سے
کیا ہم ختم ہو چکے ہیں؟
نہیں
ہم رہیں گے آثار قدیمہ کی طرح
ایک کھوپڑی کی طرح
ہماری کوئی نہ کوئی شکل برقرار رہے گی

سنیچر، جمعرات، زبان، بدنظمی
جوہری کی دکان،
پولیس کی تفتیش
منگل کی شام
وہ سیڑھیاں کود کر آئے اور لوٹ مار کی
جونہی انھیں ہم میں سے کسی کا جسم جلنے کی بو لگی
انھوں نے اپنے تاروں کو جھنجھوڑنا اور گانا شروع کردیا

ہم نے اپنی کشتیاں جلادی ہیں
ہم نے اپنے سیارے خاردار تاروں میں لٹکا دیے ہیں
ہم نقشے پر کھینچی ہوئی لکیروں سے
حسب نسب بھی نہیں چاہتے
ہم روٹی کے خالص ہونے
یا اپنی قمیضوں پر کیچڑ کے دھبوں سے بھی
انکار نہیں کرتے
ہم تو یہ پوچھنے کے لیے بھی پیدا نہیں ہوے
کہ زندگی نے مادے سے بڑھ کر یہ شکل کیسے اختیار کی
ہم تو بھوسے پر پیدا ہوئے اور وہیں سوتے آئے ہیں
ہم تھکے ہوئے گھوڑوں کی طرح گاڑیاں کھینچتے رہے ہیں
پھر ہم نے اپنی کشتیاں جلادیں اور بندوقوں کو گلے لگالیا

کیا تم مرنے والوں کو جانتے ہو؟
میں انھیں جانتا ہوں جو ابھی پیدا نہیں ہوئے
وہ انھی درختوں میں پیدا ہوں گے
وہ یہیں بارش میں پیدا ہوں گے
وہ یہیں طوفان سے پیدا ہوں گے
وہ ٹوٹے ہوئے شیشوں سے پیدا ہوں گے
وہ انھی بم کے ٹکڑوں سے پیدا ہوں گے
انھی ہاروں اور بہاروں سے

اور کہانیوں سے

بیروت
سمندر پر کاروبار کرتا ہے
کرائے کے فلیٹ میں پیدا ہونے والی قوم
اس کے کیفے
سورج مکھی کے پھولوں کی طرح رُخ تبدیل کر لیتے ہیں
چند منٹوں کے لیے جنت
سمندر کے سامنے جھکے ہوئے پہاڑ

بیروت
جس کی گلیاں بحری جہازوں میں کھلتی ہیں
ایک بندرگاہ جہاں شہر جمع ہوتے ہیں
نو دولتیوں کے لیے جدید تر فنِ تعمیر
ہمارے تمام قدیم نشانوں کو سمندر بہا کر لے گیا
ایک دنیا جو نئی مارکیٹ کے لیے پیدا ہو رہی ہے
ڈالر کی طرح ابھر رہی ہے
سونے کی قیمت کی طرح چڑھ رہی ہے
اور ان سب کے تعاقب میں چلتی ہے
مشرقی خون کی رو

اور ہم اس زمین کو جگا دیں گے

جو ہمارے خون کے سامنے جھکی ہوئی ہے

ہم اپنے رفتگاں کو کھینچیں گے

انھیں کھینچ لائیں گے خفیہ کمروں سے

اُن کے جسموں کو اپنے سفید آنسوؤں سے دھوئیں گے

اُن کے پسینے کے بدلے روحوں کا دودھ جمع کریں گے

اُن کے نازک پپوٹوں پر لفظ سجانے کے لیے ہم کہتے ہیں:

جاگو، جاگو، چلو ہمارے ساتھ گھروں کو چلو

چلو اور چھتوں کے ساتھ ہواؤں کی آواز سنو

ہوائیں جنھوں نے ہمارے بازوؤں سے گھاس کے جنوبی میدان چھین لیے

اب تم ہو ہماری زمین

جس کی ہم نگہبانی کریں گے

جس کے خیموں اور گندم سے ہم محبت کریں گے

صرف اور صرف ایک زمین ہے

جس پر ہم کھڑے ہو سکتے ہیں

واپس آجاؤ،

واپس آجاؤ،

ہمارے پاس ایک بار پھر واپس آجاؤ

ہم تمھارے خون کے خطوں کو چھوڑ کر نہیں جا سکتے

ہم تمھیں فراموشی سے باہر لے آئیں گے

سورج ہمیں جھلساتا ہے

تمھاری تیز دھار ہڈیاں ہمیں لہولہان کرتی ہیں

لیکن اس کے باوجود ہم تمھیں بلاتے ہیں

گونج پلٹ کر کہتی ہے: وطن

ہمارے خون سے ہمارے خون تک

یہی ہے زمین کی حدود

بیروت

ہم جہاں بھی جائیں یہ خواب ہمارے ساتھ رہے گا

لکڑی کی چمبیلی اور پہلی بغل گیری

پتھر کی نظم

بیروت ہے ایک بولتا پھول

ایک بچہ جو آئینوں کو توڑتا ہے

اور پھر سو جاتا ہے

آئینے پر دُھند

ہم اس جگہ کو جانتے ہیں

ہم اپنے اُن رفتگاں کے تعاقب میں پہنچے ہیں

یہاں تک

اب سنائی نہیں دیتیں جن کی آوازیں

ایک کنارے لگا دیا ہے ہم نے وقت کو

سرکا دیا ہے ہم نے رات کی ابتدا کو

خون اور سورج کے محاصرے میں
ہم انتظار کرتے رہے
ہاری ہوئی زبانوں کے ساتھ
میری ماں مجھے بلاتی ہے
لیکن گرداتی ہے
کہ میں اُسے دیکھ نہیں پاتا

ہم لفظوں کو جانتے ہیں
ہم سارے جانے بوجھے اصولوں کو جانتے ہیں
ہمارا سورج تمھاری رات سے زیادہ طاقتور ہے
ہمارے شہید ایک بار پھر اُٹھیں گے
وہ آئیں گے، پھلوں کی طرح پھولیں گے،
وہ آئیں گے لہراتے پرچم بن کر
اور بہتے ہوئے چشمے بن کر
وہ آئے
وہ آئے
وہ آئے

دور خزاں میں دھیمی بارش

دور خزاں میں ہو رہی ہے دھیمی بارش

اور پرندے جو نیلے تھے، نیلے ہیں
زمین تو ایک ضیافت ہے
مت کہو کہ میں ائرپورٹ پر ایک بادل ہونا چاہتا تھا
میں تو
ٹرین کی کھڑکی سے باہر جاگرنے والے اس ملک سے
اپنی ماں کا رومال
اور اِس نئی موت کا صرف ایک جواز چاہتا ہوں

اجنبی خزاں میں ہو رہی ہے دھیمی بارش
اور کھڑکیاں جو سفید تھیں، سفید ہیں،
اور سورج ہے شام کے ملگجے میں نارنگیوں کے درختوں کا جُھنڈ
اور میں ہوں، ایک چوری شدہ نارنگی
تم میرے جسم سے دور کیوں بھاگ رہے ہو
جب کہ میں تو
خنجروں اور بُلبلوں کے اس ملک سے
اپنی ماں کا رومال
اور اِس نئی موت کا صرف ایک جواز چاہتا ہوں

اُداس خزاں میں ہو رہی ہے دھیمی بارش
اور جو وعدے سبز تھے، وہ سبز ہیں
اور بھیگی ہوئی مٹی سے بنایا گیا ہے سورج
مت کہو: تم نے مجھے یاسمن کی ہلاکت میں دیکھا

آہ، اسپرین اور موت بیچنے والو
میرا چہرہ شام جیسا تھا
اور موت جنین جیسی

اور میں،
دور تقریروں میں فراموش کر دیے جانے والے اپنے اس ملک سے
اپنی ماں کا رومال
اور اِس نئی موت کا صرف ایک جواز چاہتا ہوں

دور خزاں میں ہو رہی ہے دھیمی بارش
اور جو پرندے نیلے تھے، وہ نیلے ہیں
اور زمین تو ہے ایک ضیافت
پرندے اُڑ کر اُس وقت میں داخل ہو گئے ہیں
جو واپس نہیں آئے گا

تم میرے ملک کے بارے میں جاننا چاہتے ہو؟
اور یہ کہ کیا ہے اُس کے اور میرے درمیان؟
میرا ملک ہے زنجیروں میں ہونے کی مسرت
ایک بوسہ جسے ڈاک سے بھیجا گیا
اور میں
اس ملک سے، جس نے مجھے ذبح کیا
اپنی ماں کا رومال
اور اس نئی موت کا صرف ایک جواز چاہتا ہوں

کبوتر اترتے ہیں، کبوتر اڑ جاتے ہیں

میرے لیے زمین کو تیار کرو
ممکن ہے آرام کروں
تھکن کی طرح محبت بھی تاراج کرتی ہے
تمھاری صبح ایک پھل کا نغمہ ہے
اور تمھاری شام، سونا
تم خود کو برہنہ کرتی ہو
جیسے وینس کے آنسو
تم ہی میری روح کا آغاز ہو
اور تم ہی انجام بھی

میں اور میری محبت ایک نظم میں
دو آوازیں ہیں
میں تو ہوں خود اپنی ہی محبت کے لیے
اور وہ ہے، دور ستاروں کے لیے
ہم ایک خواب میں داخل ہوتے ہیں
وہ خود کو اتنا سست کر لیتا ہے

کہ ہم اُسے پا بھی نہیں سکتے

جب میری محبت سوتی ہے

تو میں اُس کے خوابوں کو،

اُس کے دیکھنے سے بچانے کے لیے

جاگ جاتی ہوں

میں جاگتی ہوں

اور ان راتوں کو قریب نہیں آنے دیتی

جو ہماری ملاقات سے پہلے بھی گزری ہیں

میں خود اپنے ہاتھوں سے اپنے دن اُٹھاتی ہوں

جیسے وہ میز سے گلاب اٹھاتا ہے

سوجا، میری محبت

سمندر میرے گھٹنوں تک آسکتا ہے

سوجا، میری محبت

میں تجھے اپنی دولتیں دوں گی

میں تجھے آرام دوں گی

میں نے اپریل کو سمندر پر دیکھا

اور کہا

میں تمھارے ہاتھوں کی توجہ کو بھلا چکی تھی

خوابوں میں تم کتنی بار جنم لے سکتے ہو،

اور کتنی بار ماری جاؤں گی میں، تمھارے ہاتھوں سے؟

میں نے زبان سے پہلے تمھیں پکارا

میں نے تجھ تک رسائی سے قبل، تمھاری کمر تک پرواز کی

تم نے میری روح کے پتوں کو

کبوتروں کی چونچوں میں جگہ دی

اور ایسے معدوم ہو گئے جیسے فاصلے

کھیتوں میں

یہاں تک کہ میں نے جان لیا

تم ہی ہو تمام مصر

اور تم ہی ہو بابل اور دمشق

میری جان! تم مجھے کہاں لے جا رہے ہو

اتنی دور، میرے باپ کے گھر سے

میرے تنگ بستر اور اکتاہٹ سے

میرے آئینوں اور میرے چاند سے

میری بے خوابی اور دوشیزگی سے

تم نے اونچی لہروں کو موقع دیا

کہ وہ مجھے بہا کر دور لے جائیں

کیونکہ میں تم سے محبت کرتی ہوں

میری کمر لہولہان ہے

میں رات رات بھر درد میں دوڑتی ہوں

اُن راتوں میں جنھیں خود میرے ہی خوف نے طویل کر دیا

میں محبت کرتی ہوں کہ کرنا چاہتی ہوں

میں محبت کرتی ہوں کہ کرنا چاہتی ہوں

میں روشنی کی اس شعاع کو پکڑتی ہوں
جو شہد کی چمکیلی مکھیوں سے ڈھکی ہوئی ہے

میں تیرے لیے، اپنے دل سے ڈرتی ہوں
مجھے ڈر ہے کہ میں پہنچ جاؤں گی
میں پہنچ جاؤں گی اپنی خواہش تک
میں اپنی خواہش کو سدھاتی ہوں
یہاں تک کہ وہ تمھاری صورت میں ڈھل جائے
میں اپنے زخموں کو تمھاری خامشی کے کناروں سے رگڑتی ہوں
یہ خامشی تو تمھارا اور انتظار کرے گی
لیکن میں
میں مر جاؤں گی

کبوتر اُترتے ہیں، کبوتر اُڑ جاتے ہیں

کیونکہ مجھے تم سے محبت ہے
پانی مجھے کاٹتا ہے
پانی مجھے کاٹتا ہے
سمندر کو جاتی سڑکیں مجھے زخمی کرتی ہیں
تتلیاں مجھے دکھ دیتی ہیں

میں تمھیں آواز دیتی ہوں
اور ڈر بھی جاتی ہوں کہیں تم سُن نہ لو
اس لیے کہ مجھے تم سے محبت ہے
گلی میں لگی روشنی کے نیچے سایہ بھی مجھے دُکھی کرتا ہے
مجھے دُکھی کرتا ہے اور ایک پرندہ جو آسمان میں کہیں اوپر ہے
اور بنفشوں کی خوشبو
اور سمندر کی شروعات
کاش! میں نے محبت نہ کی ہوتی
کیونکہ یہ پتھر بھی مندمل ہو سکتا تھا

کبوتر اُترتے ہیں، کبوتر چلے جاتے ہیں

میں تجھے دیکھتی ہوں
اور مرنے سے بھاگ جاتی ہوں
تمھارا جسم ایک ساحل ہے
دس سفید سوسنوں کا
آسمان نیلاہٹ دینے والی اُن دس کلیوں سے بنا ہے
جو اُس نے گم کر دی ہیں
میں اسی پتھر کو چھوتی ہوں
میں تمھاری بہار کی ابتدا کے ساحل پر
نمک اور قدیم شہد کی پرستش کرتی ہوں
میں نے تمھاری راتوں کا امرت پیا

اور اس گندم پر سوئی جس نے کھیت کو فاش کر دیا
اور گونج کو توڑ دیا کہ اُسے زنگ لگ جائے

مری جان!
مجھے تمھارے ہاتھوں کی خامشی کا ڈر ہے
میرے خون کو سہلاؤ
شاید اسی طرح یہ بے لگام کچھ ٹھنڈا پڑ جائے
مری جان
مادہ پرندے تمھاری طرف اڑتے ہیں
اس لیے مجھے اپنی روح بنالو
یا زوج
مری جان!
میں تمھارے ساتھ رہوں گی،
تمھارے ساتھ،
تمھارے ساتھ
کیونکہ تم ہی میرے آسمان کی انتہا ہو
اور میرا جسم ہے اس زمین پر تمھاری زمین

کبوتر ٹھہرتے ہیں، کبوتر چلتے جاتے ہیں

میں نے پل پر دیکھا
[illegible] اندلسی

اور چھٹی حس
اُس نے اُسے اُس کا دل لوٹایا
اور کہا:
تمھاری محبت نے مجھ سے وہ چاہا
جو مجھے پسند نہیں
تمھاری محبت نے مجھ سے مانگا
ٹوٹی ہوئی انگوٹھی پر
سویا ہوا چاند
وہ انگوٹھی جس پر وہ علیحدہ ہوتے ہیں
اور پرندے دور اُڑ گئے

میں نے پل پر دیکھی
اُندلسی محبت اور چھٹی حس
عورت نے اُسے اُس کا دل لوٹایا
اور کہا
تمھاری محبت مجھ سے وہ قیمت چاہتی ہے
جو میں ادا نہیں کروں گی
تمھاری محبت مجھ سے چاہتی ہے
ٹوٹی ہوئی انگوٹھی پر سویا ہوا چاند
پرندے اڑ گئے
یا اُس پُل پر بسیروں میں لوٹ آئے
جسے محبت کرنے والوں کی جدائیوں نے سیاہ کر دیا

پیرس میں آخری شام

(بژدوین قلاق کی یاد میں)

اپنے کمرے کے دروازے پر اس نے کہا
وہ ہمیں بلا جواز مارتے ہیں
کیا تمھیں فرانسیسی وائین پسند ہے
اُس نے تیزی سے کونوں کھدروں کی تلاشی لی
لیکن دروازے سے اندر نہیں گیا
اُن کی وجہ سے،
جو اندر کہیں خفیہ حجرے میں چھپے انتظار کر رہے ہوں گے
ہم پچھلی سیڑھیوں کی طرف گئے۔ ایک بجے
تمام پیرس سو رہا تھا
یہاں سے شروع ہوتی ہے رات
ایک بڑی شاہراہ،
جس پر آپ اکیلے بھی چل سکتے ہیں
تم درختوں سے وہ نہیں دیکھ سکتے
جو ایک ضرورت مند جسم سے دکھاتی دیتا ہے
ایک گولی جو تمھیں تلاش کر لے گی
تم کانکا کو پڑھتے ہوتا کہ اپنے اندھیرے کو ڈھونڈ سکو
ہاں! مجھے یاد ہے، کچھ عرصہ قبل یہ خوبصورت بھی لگتا تھا

اور میرے خواب کے کناروں پر تھا دمشق
میں دریا پر جاتا تھا،
اور سوچتا تھا کہ دریا عورت ہے، کوئی تارک یا مقید
اب وہ کبھی مجھے دریا نہیں دیکھنے دیں گے
ہماری جیلوں نے زمین بھر دی ہے
کیا اب بھی تم چہرے کے نقوش میں
امتیاز کر سکو گے؟
اتوار کو پیرس سین پر انتظار کرتی پینٹنگز
اور ان تمام کہانیوں میں سوتا ہے،
جو دھوئیں کی تہہ میں ذبح ہوتی ہیں،
صرف عاشق ہی سوچ سکتے ہیں کہ پانی آئینہ بھی ہو سکتا ہے
جب وہ خود کو ہلاک کرنا چاہتے ہوں
ہم کہاں سوئیں گے؟
کہیں بنچ پر، کسی بھی پارک میں،
وہ وہاں بھی تو ہمیں قتل کر سکتے ہیں؟
کر سکتے ہوں گے، لیکن میں بہت تھک گیا ہوں
اور یہ بے ترتیب ستارے میرے لیے تکلیف دہ بن گئے ہیں

جیسے کہ نوجوانی پتھر تھی
جس نے اپنے وطن میں
نارنگیوں پر بہار کی عدم موجودگی کو بھی سہ لیا
اتنے طویل عرصے تک

سیاحوں کی زمین سے
اور صرف فوجی راہبوں کے لیے
وہ پوسٹر جمع کرتا ہے
اور خود پر ظلم ڈھانے والوں کے خلاف
اپنے خیالات سگریٹوں کے ٹوٹوں پر لکھتا ہے
انھوں نے ایک گاؤں ڈھونڈا اور اسے تباہ کرنے کے بعد
گھاس پر لیٹ کر آرام کیا
وہ میرے قتل کا اعتراف کرتے ہیں
اور پھر مجھے اپنے بازوؤں پر اُٹھا کر لہراتے ہیں

انھوں نے مجھ سے کہا تھا
وہ مجھے بیس ہزار فرانک دیں گے
صرف ایک تقریر کا معاوضہ
جس کے ذریعے میں فرانسیسیوں کو قائل کروں گا
مغربی کنارے پر واقع جیلیں
جیلیں نہیں، صرف علاج گاہیں ہیں
اور یہ کہ
میرے زخم، زخم نہیں گلاب کے پھول ہیں
اُس نے اُن آنکھوں کو بھی اپنا تعاقب کرنے دیا
جو اُس کے سائے کو بھی جانتی تھیں،
سڑکوں کے ہجوم میں
جو اُس کے ان دوستوں کا تھا

جو تنہائی کی قید کے راستے پر تھے
یا نئی فلم دیکھنے جا رہے تھے
ایک ایسی رات کا ہجوم جو رات سے بھرپور تھا
اور بوسیدہ زبانوں سے
ہر بار جب ہم ملتے ہیں
وہ مجھے رخصت کرتے ہوئے
ایسے وداع کہتا جیسے آخری موقع ہو
وہ اپنے ذہن میں مجھے اپنے جنازے کے ساتھ
چلتے ہوئے دیکھتا ہے
اس کا جنازہ پھولوں سے اٹھایا جا رہا ہوگا
اور وہ مجھ سے پوچھے گا:
اب تو تم قائل ہو چکے ہو گے
وہ ہمیں بلا جواز قتل کرتے ہیں؟
وہ بے پناہ محبت کرے گا اور پھر اسے بھول جائے گا

لیکن اُسے یاد ہیں
شمالی فلسطین کی تمام سڑکیں
اُن کے کنارے اُگنے والا ایک ایک پودا
اُن کا ایک ایک پتّا
اور وہ تمام گانے بھی
جو پناہ گزینوں کی رخصتی پر گائے جاتے ہیں
اور وہ تمام گانے بھی

جو فاتحوں کو مزید ٹھہرانے کے لیے گائے جاتے ہیں
حالاں کہ ان گانوں میں شدید مماثلت ہوتی ہے

اپنی نسل کے دوسرے لوگوں کی طرح
کیا تم بھی خودکشی کے لیے سوچتے ہو؟
اپنی نسل کے تمام لوگوں کی طرح،
میں سمندر کی لڑکی سے محبت کرتا ہوں
کسی زخم کے بغیر لہولہان شام
اس کی کھڑکی سے نکلے گی
میں بھی رکوں گا اور آواز دوں گا
گونج پتھر بن کر پلٹے گی
میں تانبے کا بنا ہوا کیوں نہیں
کہ ان تمام باتوں کا بوجھ اٹھا لیتا؟

کیا تمھیں بچپن کے دن یاد ہیں
کس طرح ہم اپنے دل اور انگلیاں اپنے دروازوں
پر رہنے والی بھوری بلیوں سے چھینتے تھے
ہم ساحل پر جاتے اور آواز لگاتے تھے
اور گونج چاند بن کر پلٹتی تھی

یافا کے علاقے پرانے گلیلی میں ہی میں نے یہ جانا
عورتیں ملک کیسے ہوتی ہیں

میرا دوست چھلانگیں لگا رہا تھا
جیسے پرندہ طوفانی برسوں میں بھیگا ہوا ہو

مری ماں دمشق سے محبت کرتی ہے،
میرا باپ صرف ایک بار اُن پتھروں پر سونے کے
خواب دیکھتا ہے،
جو اُس کے اندر سوتے ہیں
میری بہنیں سوچتی ہیں خلیج بہت دور ہے
وہ سوچتی ہیں، میرا خون ایک تلوار کو بھی توڑ سکتا ہے
میرا خون قانون کو بھی توڑ سکتا ہے
میں کارمل کا ہوں،
ایک پہاڑی جو شام ہوتے ہی بوسوں سے پگھل جاتی ہے
میں پندرہ سردیوں کی سوئیوں کے نیچے لیٹا ہوں
بارش مجھے شرابور کر دیتی ہے،
میں تارک الدنیا پادری سے مدد مانگتا ہوں
اُس نے میرے سامنے میرے لیے دعا مانگی
پہاڑ میرے اندر میرے جسم پر اگے بالوں کی طرح پھیل گیا
کیا تم نے اس کے لیے گایا؟

تم اسے جس طرح چاہو پکارو
ایک عورت، ایک زبان، ایک وطن، ایک آئینہ
گندم کے کھلیانوں میں پرندوں کا اتحاد

ساحل پر تنہائی دیتی پہلی لہر

ہم نے اکٹھے اس بے معنویت کو گایا
جس نے ہمیں اپنی گرفت میں لے رکھا تھا
سفر میں تمھیں اکیلے ہی میں سونا ہوتا ہے اپنے بازوؤں میں
تمھارے عشاق اپنے قریب رکھتے ہیں اپنے خنجر
چھوٹی سی مسافرت میں تم سوتے ہو
اکیلا سمندر چھوتا ہے تمھاری محبتیں،
سمندر تمھیں توڑتا ہے
ہے اور تمھارے عشاق کو
جو سب اپنی تلواریں چھوڑ چکے ہوتے ہیں
زمین تمھاری خاموشی کے سامنے چھوٹی پڑ چکی ہے
تمھارا جسم چاقو کے زخم سے بھی چھوٹا ہے
مختصر مسافرت میں تم سوتے ہو خود اپنے درمیان
اور میں اپنے درمیان
تم اپنے اکیلے بازوؤں میں اکیلے

کیا کوئی ہم جیسا آدمی اجازت دے گا
کہ ہم غور کریں پینٹنگ پر
یا خدا کی اصل پر؟
کیا وہ کہے گا کہ وہ جانتا ہے
پیڑ پر چڑیا کے پھڑ پھڑانے اور

وداع کے وقت ماؤں کے ہاتھ ہلانے میں شدید مماثلت ہے؟
کیا وہ سینٹ یرمین جائے گا
یا کسی بھی سیاح کی طرح سیر کرے گا؟

میں ابھی تک عورت کو نہیں پا سکا
وہ عورت جو میرے بالوں کو بھی چھو سکتی ہے
اور پُلوں پر شام کو تاخیر بھی کرا سکتی ہے

وہ جانتا ہے کہ سپاہی واپس آئیں گے
وہ جانتا ہے کہ صرف خس وخاشاک ہی دوبارہ جڑ پکڑیں گے
اور اس کے باوجود وہ تمام دریا عبور کرتا ہے صرف عبور کرنے کے لیے

جون میں ہمارا پیرس جنوب کا رخ کرے گا
شاید وہ بھی جو قتل کرتے ہیں
وہ وائین میں اپنی موت دیکھتا ہے اور ویٹر سے
گلاس تبدیل کرنے کی درخواست کرتا ہے
وہ پوسٹروں کی نمائش تک میرا تعاقب کرتے ہیں
میں اچانک مڑتا ہوں اُن سے ہاتھ ملاتا ہوں
اور انھیں پریشان کر دیتا ہوں
وہ اُنگلی سے موت کو چھوتا ہے
وہ اُس کی ساری قسمیں جانتا ہے

کار کے وسط میں ایک بم
الگ الگ اُڑ کر جاتے تمھارے بازو اور ٹانگیں
اُس رعیت کو توڑنے کے لیے
جو سڑکوں پر واقع گھروں کو بھی میدان کر دیتی ہے

ایک بم میزوں کے درمیان
ایک شگاف حلق کے درمیان
اور ایک گولی جو پیٹھ سے داخل ہوتی ہے
سب موت کی چند شکلیں ہیں
سورج کی رسائی سے بھی آسان
ان میں تکلیف صرف اُس وقت ہوتی ہے جب ہم سوچتے ہیں
اُن کی اذیت تب ہوگی جب تم ڈرو گے
صرف اُس وقت جب تم اسے آتا ہوا دیکھو گے
صرف اُس وقت
جب تم اسے آہستہ آہستہ قریب ہوتے ہوئے دیکھو گے

اُس کے دروازے کے باہر
شاہ بلوط کے درخت
کبوتروں کے غول
چھوٹے سے ایک کیفے کی میز پر
وہ ایک شناسا طالب علم کو دیکھتا ہے
وہ اسے ہاتھ کا اشارہ کرتا ہے اور سیڑھیاں چڑھنے لگتا ہے

یہ سیڑھیاں اُس کی زندگی کی طرف جاتی ہیں
وہ اُس کے کاغذات دیکھتا ہے
اور اس وطن کو جو نقشے پر انتظار میں ہے
وہ اپنی دیوار پر لگی
مرنے والوں کی تصویریں گنتا ہے
وہ اُس خط کو پڑھتا ہے جو اُس کی ماں نے اُسے بھیجا ہے
جس گولی نے اُسے تلاش کرنا تھا، کرلیا
'گھر آؤ، اس موسم گرما میں، پلیز، میرے بیٹے'

صرف ایک سال اور

میرے دوستو!
وہ جو ابھی تمھارے درمیان زندہ ہیں
مجھے بھی زندہ رہنے دیں، ایک سال اور
صرف ایک سال اور
ایک ہزار عورتوں
اور ایک ہزار شہروں سے محبت کے لیے

ایک سال خاصا وقت ہوتا ہے
ایک خیال کے لیے اگر وہ پھول کی پتیاں اوڑھنا چاہے
ایک لڑکی کے لیے اگر وہ مجھے سمندر پر لے جانا چاہے

اور اُس کے گھٹنوں کے لیے
کہ وہ جہاں تک چاہیں رسائی دیں
ایک سال میں خاصا وقت ہوتا ہے
کہ میں اپنی ہی سب سے بڑی ترنگ میں زندہ رہوں
ایک ہم آغوشی کے لیے
جو ایک دوسرے میں الجھے ہوے
مبہم وقتوں کو انجام تک پہنچادے

میرے دوستو!
مت مرو اس طرح، جس طرح تم مرتے جا رہے ہو
مت مرو،
رک جاؤ، میرے لیے ایک سال
ایک سال، صرف ایک سال اور
شاید ہم اُن مکالموں کو مکمل کرلیں
جنھیں ہم نے شروع کیا ہے
شاید ہم ان گھڑیوں اور بینروں سے دور
کہیں خرام کرسکیں
کیا ہم نے اچھی بات کی ہے
کہ ہر پرندے کو ایک ملک کا نام دے دیا ہے
اور اُن میں ہر ملک
ہمارے زخم سے الگ ہے
کیوں ہے یہ پیچ در پیچ سراسیمگی

شاید ہم زبان کو اس ٹیڑھ سے بچا سکیں
جو ہماری خواہش کے خلاف پیدا ہوتی ہے
شاید ہم پادری کو بھی
اُس الاپ سے بچا سکیں جو ہم الاپنا نہیں چاہتے

میرے دوستوں
تم جو میرے بستر کے گرد ہجوم کیے کھڑے ہو
اُس وقت میرا تعاقب کیوں کرتے ہو
جب میں اُس لڑکی کے پیچھے جاتا ہوں،
جس کی کمر کو میں اب تک نہیں چھو سکا

جاؤ، کچھ دیر کے لیے مجھے چھوڑ دو
جاؤ میرے دوستو،
جاؤ کہیں دور چلے جاؤ
ہمیں بھی اُس کافی کا ذائقہ چکھنے کا حق ہے
جس میں مٹھاس کا لمس ہے خون کا نہیں
ہمیں بھی ان آوازوں کو سننے کا حق ہے
جن کے لیے ہماری انگلیوں کی نرمی
مرتے ہوئے گھوڑوں کو نہیں
گذرتی ہوئی ابابیلوں کو پکارتی ہے
ہمیں بھی حق ہے اپنی وریدوں کے شمار کا
تاکہ محبوب کی جلد پر انتظار کرتے

راز کا شکریہ ادا کر سکیں
اور تمام مذہبی گیتوں کو کراہنے سے نجات دلا سکیں

میرے دوستو!
مت مرو، معذرت طلب کرنے سے پہلے
گلاب کے اُس پھول کو دیکھنے سے پہلے
جو کھلے گا صرف تمھارے لیے
اُس گاؤں کی آمد سے پہلے
جس میں تم ابھی ٹھہر بھی نہیں سکے
اُس عورت کو ملنے سے پہلے
جو میناروں اور شبیہوں سے آزاد ہے
مت جاؤ موت کی طرف یہ پوچھنے سے پہلے
کہ زندگی اب تک کیوں نہیں جان سکی
کہ زمین کبھی کبھی بچپن کی گلیوں میں ملنے والے
پھلوں سے ملتی جلتی کیوں لگنے لگتی ہے

میں مر چکا ہوں
تو وہ مجھے اچھی طرح کیسے جانتے ہیں
اور اب
اگر میں زندہ واپس آ گیا ہوں
تو اُنھوں نے مجھے نظر انداز کیوں کر دیا؟

میرے معروف سور ماؤ! میرے دوستو!
کچھ میرے بارے میں بھی سوچو
مجھے بھی دو تھوڑی سی محبت
اس طرح مت مرتے جاؤ، جس طرح مرتے جا رہے ہو
مت مرو
سال بھر تو انتظار کر لو میرے لیے
بس ایک سال اور
بس اتنی محبت کہ ہم ساتھ بیٹھ کر ایک کپ کافی پی سکیں
ساتھ بیٹھ کر
ان سفید لہروں کو دیکھ سکیں
جو ہمیشہ عورتیں ہی نہیں ہوتیں

تم نہیں ہو گے تو میں کیا کروں گا
کیا کروں گا میں آخری تدفین کے بعد
کس طرح میں محبت کروں گا اس زمین سے
جو مجھ سے چھین لیتی ہے تمھیں
جو تمھیں سمندر سے چھپا دیتی ہے
کس طرح میں محبت کروں ان سمندروں سے
جو دعائیں مانگنے والوں کو تو ڈبو دیتے ہیں
اور اِن میناروں کو چھوڑ دیتے ہیں
پہلے سے کہیں اونچا
کہاں گزاروں گا میں اتواروں کی شامیں؟

کس کے ساتھ بیٹھ کر میں بلی کے نوزائیدہ بچے کو دیکھوں گا؟

کون بتائے گا مجھے اس سبزی مائل زرد چاند کے بارے میں؟

کون سنے گا تفصیل سے

اُس عورت کی باتیں جو میرے خیالوں سے گذرتی ہے

تمھارے بعد

کیا معنی رہیں گے میری زندگی کے

جب خود میرا ہی سایہ میرے سامنے دراز ہوجائے گا

مت مرد

مت مرو جس طرح مرتے جا رہے ہو

سوگ کی نشہ آور رسومات کے لیے

مت الگ کرو مجھے پھل کی نسائیت سے

یہ دل میرا دل نہیں ہے

میں اسے

ایک ٹوکن کی طرح تمھاری طرف بھی پھینک سکتا ہوں

یہ جسم میرا جسم نہیں ہے

میں اسے تمھارے لیے تابوت بھی بنا سکتا ہوں

رحم کرو، میرے ظالم دوستو

کچھ اُن کے دکھوں کے بارے میں بھی سوچو

جو اُس وقت بھی درختوں کی طرف دیکھنے کو ترجیح دیتے ہیں

جب بموں کے اڑتے ہوئے ٹکڑے

اُن کی طرف آرہے ہوتے ہیں۔

اور وہ جو تلخ راکھ کے دروازے سے

بہار میں داخل ہونے کا انتظار کر رہے ہیں

اسی طرح چلے جاؤ گے اگر تم

تو پہلے مرنے والوں

کے لیے گلاب کے پھول کون چنے گا

کیا ہمارے پاس قبریں کھودنے کے لیے

نئے الفاظ تلاش کرنے کے سوا

کوئی کام نہیں؟

تاکہ ہمارے قصیدے حال ہی میں لکھے جانے والے

پہلے قصیدوں سے کچھ مختلف ہوں

کتنے چھوٹے ہیں یہ پھول

کتنا گہرا ہے یہ خون

میرے دوستو!

تم میں سے جو بھی ابھی زندہ ہیں

مجھے ایک سال اور زندہ رہنے دیں

ایک سال تک ساتھ پھرنے کے لیے

خانہ بدوشوں کی طرح

دریا کو اپنی پیٹھ سے اتار پھینکنے کے لیے

اس ڈھانچے کی باقیات کے آثار میں

مزید شکست وریخت کے لیے

اپنی تھکی ہوئی روحوں کو اس طرح

طویل جلاوطنی سے نکالنے کے لیے
اس لیے، اب اگر تم مجھے چھوڑ کر جا رہے ہو
اگر تم جا کر کسی کاسۂ سر کی صورت ہی رہنا چاہتے ہو
تو نہ میں تمھیں یاد کروں گا، نہ تمھارا سوگ مناؤں گا
اور نہ ہی تمھارے لیے لکھوں گا کوئی دکھ بھرا چھوٹا سا لفظ
کیونکہ میں نہیں ہو سکتا اب مزید سوگوار
یہ ملک ایک جسم میں ہے
اور یہ جسم ایک گولی میں
یہ رونا دھونا اب اس پر ختم ہونا چاہیے
جدا ہونے والے میرے دوستو!
یہ ہے تمھارے لیے میرا پہلے سے تیار نوحہ

مت مرو، مت مرو
اس صحرا کا کوئی پھول
تمھارے خون سے قیمتی نہیں
مت مرو، میرا انتظار کرو ایک سال
اس دوران میں اپنی سوگوار ماں کے پاس جاؤں گا
اور ہمت کر کے اُسے کہوں گا
پھر پیدا کرو مجھے، ایک بار
تاکہ میں شروع ہی سے
محبت کی ابتدا محبت سے کر سکوں
صرف ایک سال اور

صرف ایک سال
صرف ایک سال

معتوب نمبر 18

سرسبز تھے زیتون کے جھنڈ
تو ہیں، اور آسمان
نیلاہٹ کا جھنڈ تھا، تو ہے، لیکن
مری جان! اُس شام
کس نے تبدیل کر دیا انھیں؟

ایک موڑ پر
انھوں نے روکی
مزدوروں سے بھری لاری،
اس قدر پُرسکون تھے وہ
انھوں نے ہمیں گھمایا
اور ہمارے منھ مشرق کی طرف کر دیے
اس قدر پُراعتماد تھے وہ

کبھی میرا دل ایک نیلا پرندہ ہوتا تھا،
میری محبوبہ کا گھونسلہ

تمھارے جتنے بھی رومال میرے پاس ہیں
سب کے سب سفید ہی تو تھے،
اُن پر یہ چھینٹے کس نے ڈال دیے؟
میں بالکل نہیں جان سکا، مری جان!

•

سڑک کے موڑ پر
انھوں نے روکی تھی مزدوروں کی لاری،
اس قدر پر اعتماد تھے وہ
انھوں نے ہمیں اتارا
اور ہمارے منھ مشرق کی طرف کر دیے
اس قدر پر اعتماد تھے وہ

تمھیں سب کچھ ملے گا مجھ سے
تمھارے وہ سائے اور تمھاری وہ روشنی،
شادی کی انگوٹھی اور وہ سب جو تم چاہو،
انجیروں اور زیتونوں کا باغ
اور اسی طرح ہر رات میری آمد
کھڑکی سے آؤں گا
اور خواب میں تم پر برساؤں گا یاسمین کے پھول
اگر کچھ دیر ہو جائے تو الزام مت دینا
روک لیا ہے انھوں نے مجھے
سُرخ ہو چکا ہے، زیتون کا سرسبز جھنڈ،

پچاس معتوبوں کے خون سے
لیکن آسمان اُسی طرح نیلاہٹ کا جھنڈ ہے
پچاس معتوبوں کے خون کے باوجود
لیکن میری جان
تم مجھ پر کوئی الزام نہ رکھنا
روک لیا ہے انھوں نے مجھے،
سڑک کے موڑ پر
قتل کر دیا ہے
انھوں نے مجھے، سڑک کے موڑ پر
اس قدر پر اعتماد ہیں وہ

دیوار

لعنت ہو اُس محبت پر
جو ہمارے صحرا میں ناگ پھنی اُگائے
لعنت اُس دن پر
جس کی روشنی میں ایک گٹار تک نہ ڈھونڈا جا سکے
پھول تک دکھائی نہ دیں جس کی روشنی میں

ہمارے کنویں زہریلے ہو چکے ہیں،
ہم یہاں سے بھاگے بھی تو کہاں جائیں گے، مری جان!

مرچکے ہیں ہمارے دوست
کچھ باقی نہیں بچا اس ایک دیوار کے سوا
جو منھ چڑھاتی ہے ہمارے مرنے والوں کا
اور یہ رات
جو ہم پر کڑکتی ہے
مفتوح گاؤں میں
ایک مفتوح گاؤں میں ایک مرجھائی ہوئی شام
آنکھیں نیم غنودہ
میں گزرے ہوئے تیس سال یاد کرتا ہوں
اور پانچ جنگیں
میں قسم کھاتا ہوں کہ آنے والا وقت یاد رکھے گا
میرے یہ مکئی کے بھٹے
آگ اور اجنبیوں کے بارے میں
گلوکاروں کی گائیکی
اور شام تو ہے ہی جیسی ہو سکتی ہے
اور گلوکاروں کی گائیکی وہ بھی

وہ پوچھتے ہیں:
تم گاتے کیوں ہو؟
وہ جواب دیتا ہے:
میں گاتا ہوں، اس لیے کہ گاتا ہوں

...

وہ اُس کے سینے کی تلاشی لیتے ہیں
اور صرف اُس کے دل کو تلاش کر پاتے ہیں
وہ اُس کے دل کی تلاشی لیتے ہیں
اور تلاش کر پاتے ہیں صرف اُس کے لوگ
وہ اُس کی آواز کی تلاشی لیتے ہیں
اور تلاش کر پاتے ہیں صرف اُس کے دُکھ
وہ اُس کے دُکھ کی تلاشی لیتے ہیں
اور تلاش کر پاتے ہیں صرف ایک جیل
وہ اُس کی جیل کی تلاشی لیتے ہیں
اور زنجیروں میں بندھا ہوا پاتے ہیں، صرف خود کو

میں اپنے بھوت کو دور سے آتے دیکھتا ہوں

ایک بالکنی کی طرح
میں جسے چاہوں اُسے دیکھ سکتا ہوں

میں اپنے دوستوں کو دیکھتا ہوں،
لوٹ رہے ہیں اٹھائے
شام کی ڈاک ۔ شراب، روٹی،
چند ایک ناول اور ریکارڈ

میں ایک سمندری بگلے کو دیکھتا ہوں اور فوجیوں کے ٹرک
جب وہ درختوں کو منتقل کرتے ہیں

میرا ہمسایہ ڈیڑھ سال قبل کینیڈا چھوڑ گیا ہے
میں اُس کے کتے کو دیکھتا ہوں

میں المتنبی کے نام کو دیکھتا ہوں
گیتوں کے ایک گھوڑے پر سوار
طبریہ سے مصر کا سفر کرتے
میں لوہے کی باڑ سے پھلانگنے کی کوشش کرتے
ایرانی پھول کو دیکھتا ہوں

ایک بالکنی کی طرح
میں جسے چاہوں اُسے دیکھ سکتا ہوں

میں دیکھتا ہوں:
رات سے رات کی
اور ان کی نیند کی حفاظت کر رہے ہیں
درخت جو میری موت کے خواب دیکھتے ہیں

میں ہوا کا پیچھا کرتی ہوا کو دیکھتا ہوں
کہ ہوا میں ڈھونڈتے ایک گھر

میں دیکھتا ہوں اپنی ہی دھوپ میں
غسل کر رہی ہے ایک عورت

میں قدیم نبیوں کو ننگے پاؤں جلوس کی صورت
یروشلم پر چڑھائی کرتے دیکھتا ہوں
اور پوچھتا ہوں:
کیا کوئی نیا نبی ہوگا اس نئے زمانے کے لیے

ایک بالکنی کی طرح
میں جسے چاہوں اُسے دیکھ سکتا ہوں

میں اپنے عکس کو دیکھتا ہوں
پتھر کی سیڑھیاں چڑھتا
نکل کر بھاگ رہا ہے خود اپنے آپ سے
میری ماں کے اسکارف کو ہوا میں لہراتا
کیا ہو جائے گا
اگر میں پھر سے بن جاؤں ایک بچہ؟
اور اگر تم لوٹ آؤ میری طرف
اور اگر میں لوٹ جاؤں تمھاری طرف؟

میں دیکھتا ہوں زیتون کے اُس تنے کو
جس نے زکریا کو چھپایا

میں دیکھتا ہوں ان الفاظ کو
جنھیں لغت سے جلاوطن کر دیا گیا
میں دیکھتا ہوں عجمیوں، رومیوں اور سمیریوں کو
اور نئے پناہ گزینوں کو...
میں نیگور کی مفلس عورتوں میں سے ایک کے
گلے میں جھولتے ہار کو دیکھتا ہوں
عین اس وقت جب ایک خوبرو امیر کی بگھی
اُسے کچلتی ہوئی گذرتی ہے
میں ایک ہدہد کو دیکھتا ہوں
جو اپنے ہی بادشاہ کے الزام سے عاجز ہے
میں دیکھتا ہوں ان دیکھا:
کیا ہوگا... کیا ہوگا راکھ کے بعد؟
میں دیکھتا ہوں اپنے جسم کو دور اور خوفزدہ

ایک بالکنی کی طرح
میں جسے چاہوں اُسے دیکھ سکتا ہوں

میں دیکھتا ہوں اپنی زبان

امن کا دروازہ کھولنا ہو
تو ایسکلیس کے لیے کافی ہے
تھوڑی سی غیر حاضری

جنگ کی ابتدا پر
انھونی کے لیے کافی ہوتی ہے مختصر سی تقریر
اور آزادی کو گلے لگانا ہو تو کافی ہے
میرے ہاتھ میں ایک عورت کا ہاتھ
اور میرے جسم کے لیے
کہ پھر سے ایک نیا جوار بھاٹا شروع کر سکے

ایک بالکنی کی طرح
میں جسے چاہوں اُسے دیکھ سکتا ہوں

اور میں دیکھتا ہوں اپنا ہی بھوت
دور سے ہی دکھائی دے جاتا ہے آتا

فخر اور غصّہ

اے میرے وطن! اے عقاب!
جیل کی کوٹھری کی سلاخوں سے داخل ہوتی تیری غضب ناک چونچ
میری آنکھیں نوچ رہی ہے
اور موت کی ایسی آمد پر میرے پاس ہے صرف
فخر اور غصہ
میں نے وصیت کی ہے

کہ میرے دل کو درخت کی طرح اُگایا جائے،
تاکہ چکور
میرے ماتھے پر آکر بیٹھ سکیں

اے عقاب!
میں نہیں تیرے پُروقار پروں کے لائق
میں تجھ پر شعلوں کے تاج کو ترجیح دوں گا
اے وطن!
ہم تیرے ہی زخم میں پیدا ہوئے اور پلے ہیں
ہم نے تیرے ہی درختوں کے پھل کھائے ہیں
تاکہ کسی روز
تیری صبح کو بھی پیدا ہوتے دیکھیں
اور، اے ناانصافی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے عقاب!
اور، اے داستانی موت،
ایک بار میں نے بھی تیری خواہش کی تھی،
اور اب تیری غضبناک چونچ
شعلوں کی تلوار کی طرح داخل ہو رہی ہے، میری آنکھوں میں

تیرے پُروقار پروں کے قابل نہ ہونے کے باوجود
موت کی ایسی آمد پر میرے پاس اگر کچھ ہے
تو صرف یہ فخر اور غصہ

مناجات:2

لگتا ہے بنجر ہو گیا ہوں میں
جیسے درخت
جو کتابوں سے اُگ رہے ہوں
جیسے ہوا،
صرف کوئی چیز ہو، گذرتی ہوئی
جنگ جاری رکھی جائے یا روک دی جائے
سوال یہ نہیں ہے
اہم بات ہے گلے کا مضبوط ہونا

کام کیا جائے یا نہ کیا جائے
سوال یہ نہیں ہے
اہم بات ہے ہفتے میں آٹھ دن آرام
فلسطینی وقت کے مطابق

وطن جس کا ذکر ہوتا تھا گیتوں میں
ڈھلتا جا رہا ہے قتلِ عام اور ترانوں میں،
مجھے تو بتاؤ موت کیسے ہوئی
کوئی خنجر تھا یا صرف ایک جھوٹ

تو

وطن تو ڈھلتا جا رہا ہے قتل عام اور ترانوں میں

میں کیوں تجھے اسمگل کروں، افیون کی طرح

دکھائی نہ دینے والی سیاہی کی طرح

یا ریڈیو ٹرانسمیٹر کی طرح،

ایک ائر پورٹ سے دوسرے ائر پورٹ

میں تیری کوئی شکل بنانا چاہتا ہوں

تُو جو فائلوں اور حیرتوں میں بکھرا ہوا ہے

میں تیری کوئی شکل بنانا چاہتا ہوں

اور تُو اُڑا جاتا ہے

بموں کے ٹکڑوں اور پرندوں کے پروں پر

میں تیری کوئی شکل بنانا چاہتا ہوں

لیکن آسمان میرے ہاتھ چھین لیتا ہے

میں تیری کوئی شکل بنانا چاہتا ہوں

اور تُو خنجروں اور ہواؤں کی زد پر ہے

میں تیری کوئی شکل بنانا چاہتا ہوں

تاکہ تجھ میں دیکھ سکوں کہیں خود کو

اور مجھ پر الزام نہ لگ سکے تجریدیت کا

جعلی دستاویزات رکھنے کا اور اپنی تصویر تبدیل کرنے کا

لیکن تُو خنجروں میں گھرا ہوا ہے اور ہواؤں میں

قتل عام اور ترانوں میں ڈھلتے ہوئے وطن!

تُو کیسے بنے گا ایک خواب،

تُو نے تو میرا سارا جوش چھین کر مجھے ایک پتھر میں تبدیل کر دیا ہے

شاید تُو کسی بھی خواب سے زیادہ خوبصورت ہے

شاید تُو خوبصورتی سے بھی زیادہ خوبصورت ہے

عرب تاریخ میں شاید ہی کوئی نام ہو

جو میں نے اختیار نہ کیا ہو

تاکہ اُس کے ذریعے تیری خفیہ کھڑکی سے نکل سکوں

سارے خفیہ نام

بھرتی کے ائر کنڈیشنڈ دفتروں میں پہلے سے پہنچ چکے ہیں

کیا تو میرا نام قبول کرے گا؟

میرا واحد خفیہ نام...!

محمود درویش؟

پولیس اور کارمل کے درختوں نے

میری جلد پر سے نوچ لیا ہے

میرا اصل نام

اے قتلِ عام اور ترانوں میں ڈھلتے چلے جانے والے وطن
مجھے تُو صرف اتنا بتا دے کہ موت کیسے ہوئی
کیا وہ کوئی خنجر تھا
یا صرف ایک جھوٹ

جیل کی کوٹھڑی

ممکن ہے
کبھی بھی ممکن ہے
خاص طور پر اب یہ ممکن ہے
کہ میں جیل کی اِس کوٹھڑی میں
گھوڑے پر بیٹھوں
اور فرار ہو جاؤں

جیل کی دیواروں کے لیے یہ ممکن ہے
کہ وہ لاپتہ ہو جائیں
اور جیل کی کوٹھڑی بن جائے ایک ایسی زمین
جس کی سرحدیں ہی نہ ہوں
تو پھر تم دیواروں کے ساتھ کیا کرو گے؟
میں وہ دیواریں پتھروں کو لوٹا دوں گا

اور تم چھت کا کیا کرو گے؟
میں اُسے ذہن میں تبدیل کر دوں گا
اور اپنی یہ زنجیریں؟
میں انھیں پنسل بنا دوں گا

جیل کا گارڈ ناراض ہو جاتا ہے
مکالمہ ختم کر دیتا ہے
وہ کہتا ہے وہ شاعری کی پروا نہیں کرتا
وہ میری کوٹھڑی کے دروازے کو اچھی طرح چیک کرتا ہے
اور چلا جاتا ہے
صبح کے وقت
وہ پھر مجھے دیکھنے آتا ہے
اور مجھے دیکھتے ہی غصے میں چلاتا ہے
کوٹھڑی میں یہ پانی کہاں سے آ گیا؟
میں اسے نیل سے بہا کر لایا ہوں
اور یہ درخت؟
دمشق کے جنگلوں سے
اور یہ موسیقی؟
میرے دل کی دھڑکنوں سے

جیل کا محافظ پاگل ہو جاتا ہے
وہ مجھ سے مکالمہ بند کر دیتا ہے

وہ کہتا ہے، اُسے میری شاعری پسند نہیں ہے
وہ میری کوٹھڑی کا دروازہ چیک کرتا ہے اور چلا جاتا ہے

شام کو وہ پھر واپس آتا ہے
یہ چاند کہاں سے آ گیا؟
بغداد کی راتوں سے
اور یہ وائین؟
الجزائر کے باغات سے
اور یہ آزادی؟
اُسی زنجیر سے
جس میں کل رات تم نے مجھے باندھا

جیل کا محافظ اُداس ہو جاتا ہے
وہ میرے منت کرتا ہے اور کہتا ہے
مجھے بھی باندھ لو اس زنجیر میں
مجھے بھی شریک کرلو اِس آزادی میں

میں وہاں کا ہوں

میں وہاں سے آیا ہوں اور مجھے یاد ہے
میں اُسی طرح پیدا ہوا جیسے اور ہوتے ہیں

میری ایک ماں ہے اور ایک گھر ہے
جس میں بہت ساری کھڑکیاں ہیں
میرے بھی بھائی ہیں، دوست ہیں اور ایک جیل ہے
میری بھی ایک لہر ہے جسے چھین لیا ہے بگلوں نے
میرا اپنا ایک منظر ہے اور گھاس کا ایک علیحدہ میدان
میرا اپنا ایک چاند ہے جو لفظوں کی چوٹیوں پر طلوع ہوتا ہے
میرے لیے بھی ہے خدا کی بھیجی ہوئی پرندوں کی خوراک
اور زیتون کا ایک درخت
جو دکھائی دیتا ہے وقت کے پس منظر میں
میرے پاس بھی ایک زمین ہے جسے میں ترچھا کر لیتا ہوں
اس سے پہلے کہ تلواریں جسموں کو ضیافتوں میں تبدیل کریں

میں وہاں سے آتا ہوں،
جب کبھی ماں کے لیے روتا ہے آسمان
اور اُسے لوٹا دیتا ہوں اُس کی ماں اور خود روتا ہوں
اُس بادل کے لیے
جو مجھے جانتا ہے اور پلٹتا ہے میرے لیے
میں نے لہولہان عدالتوں کے
تمام الفاظ اور قانون توڑ توڑ کر سیکھے ہیں
میں نے تمام لفظ سیکھے
اور انھیں توڑ پھوڑ کر ایک لفظ بنایا:
گھر

انتہائی نگہداشت کا شعبہ

میں ہوا کے ساتھ بل کھاتا ہوں جب زمین مجھ پر تنگ ہوتی ہے۔
میں اُڑ جاؤں گا اور ہواؤں کے ساتھ بارش لاؤں گا،
لیکن میں انسان ہوں...
میں محسوس کرتا ہوں کہ لاکھوں بانسریاں میرے سینے میں گریہ کرتی ہیں،
میں برف میں لپٹی اپنی ہی قبر کو اپنی ہتھیلی پر دیکھتا اور لے جاتا ہوں
بستر پر ٹکڑے ٹکڑے ہوتا ہوں، پھنکتا ہوں
لمحہ بھر کو ہوش کھو بیٹھتا ہوں
مختصر سی موت سے قبل چلاتا ہوں،
میں تم سے محبت کرتا ہوں،
کیا میں تمھارے پاؤں کے ذریعے موت میں داخل ہوسکتا ہوں؟
اور میں مرگیا... بالکل ٹھنڈا پڑ گیا میں۔
ساکت موت کس طرح قبول کرتی ہے تمھارا رونا!
اور کس طرح آسودہ ہوجاتی ہے تمھارے ہاتھوں پر،
جب تم میری واپسی کے لیے میرے سینے کو بار بار دبا رہے تھے

میں نے مرنے سے پہلے اور مرنے کے بعد بھی تم سے محبت کی،
اور ان دونوں کے درمیان میں نے صرف اپنی ماں کا چہرہ دیکھا
یہ دل ہی تھا جو کچھ دیر کو گیا اور پھر پلٹ آیا

میں پوچھتا ہوں:
میری جان! میں کس دل میں رکا تھا؟
وہ مجھ پر جھکتی ہے اور میرے سوال کو ایک آنسو میں چھپا لیتی ہے
اے مرے دل...
مرے دل، یہ کیسے ہوا،
تو نے مجھ سے جھوٹ بولا اور مری انتہا کو درہم برہم کردیا؟
ہمارے پاس خاصا وقت ہے
دل، سنبھل گیا ہے تُو،
ایسا ہے کہ اب ارضِ بلقیس سے ہُدہُد ہی تم تک پرواز کرے گا
ہم نے خط بھیج دیے ہیں
ہم تیس سمندروں اور ساٹھ ساحلوں کو عبور کر چکے ہیں
اور ابھی زندگی میں بہت وقت ہے آوارگی کے لیے
اور اے دل یہ کیسے ہوا کہ تو نے ایک گھوڑی پر انحصار کیا
اور ہواؤں کو آزمانے کی کوشش نہیں کی
تو اب ٹھہر
کہ ہم آخری ہم آغوشی کو مکمل کرلیں
شکر ادا کرنے کے لیے جھک، اور ٹھہر جا...
اب ٹھہر جا.... مجھے دیکھ لینے دے
کہ یہ۔تُو، میرا ہی دل ہے
یا یہ اُس کی آواز کی چیخ کہہ رہی ہے: مجھے تھامو

مناجات: 9

وقت اور حواس کی رسائی سے باہر، گلاب
تمام تر ہواؤں کے دوپٹوں میں لپٹے ہوئے، بوسے!
مجھے ایک خواب سے حیران کر
میری دیوانگی تمھی سے پلٹ کر آئے گی
تمھی سے پلٹے گی
تم تک رسائی کے لیے
کہ پھر تمھی سے پلٹ کر آئے

میں نے اپنے حواس کو بازیاب کیا
اسی رسائی اور پلٹنے کے درمیان
خواب کے حجم کا ایک پتھر ہے
جو نہ تو رسائی چاہتا ہے
اور نہ پلٹتا ہے
تو یہ میرا ملک ہے

پتھر وہ نہیں ہو سکتا، جو میں ہوں
اسی لیے میں آسمان کا سامنا نہیں کرنا چاہتا
نہ ہی میں زمین کی سطح پر آ کر مروں گا
لیکن میں ایک اجنبی ہوں، ہمیشہ کا ایک اجنبی

ڈبل روٹی

(یہ نظم ابراہیم مرزوق کے لیے لکھی گئی۔ جو ایک مصور تھا
اور بدھ 8 اکتوبر 1975 کی صبح بیروت میں ایک بیکری سے ڈبل روٹی
خریدتے ہوئے مارا گیا تھا)

دن غائب تھا
صبح کی ابتدا کے دھندلکے سے
سورج نکلا تھا حسب معمول ٹھٹھرا ہوا سست
پورے مشرقی افق پر پھیلے بادلوں کی وریدوں میں
پھیلتی جا رہی تھی معدنیاتی راکھ
گھروں تک آنے والے پائپوں میں
پتھرا گیا تھا پانی
بیروت کی زندگی میں، مایوس خزاں میں
پھیل رہی تھی موت محل سے
ریڈیو تک، جسم فروشوں سے
سبزیوں کی منڈی تک

کس نے جگا دیا تھا تجھے؟
ٹھیک صبح پانچ بجے
تیس آدمی مارے جانے ہیں
جاؤ، واپس نیند میں چلے جاؤ

یہ تو وقت ہے موت کا،
یہ تو وقت ہے آگ کا

ابراہیم ایک مصور تھا
اُس نے پانی کو تصویر کیا
وہ زمین کا وہ تختہ تھا جس پر سوسنوں کو کھلنا تھا
ہولناک تھا اُس کے لیے
صبح سویرے اُٹھنا
لیکن اُس کے بچے
سورج کی روشنی اور سوسنوں کے دیوانے تھے
وہ چاہتے تھے دودھ اور ڈبل روٹی

ایک غائب دن... اور میرا چہرہ
گولیوں کے کھلیانوں میں گندم سے بنایا گیا ٹیلی گرام
کس بات نے جگایا تھا تمھیں اُس وقت
ٹھیک صبح پانچ بجے
جب تیس آدمی مارے جانے تھے

ڈبل روٹی نے پہلے کبھی یہ ذائقہ نہیں چکھا ہوگا
یہ خون، سرگوشی کرتی ہوئی یہ بناوٹ اور یہ عظیم اندیشہ
خالص جوہر یہ آواز، یہ وقت، یہ رنگ،
یہ آرٹ، یہ انسانی قوت، یہ راز، یہ جادو،

یہ اصل کی گھپا سے
بیروت کے سامنے تک پھیلی گروہی جنگ تک آتا
منفرد لمحہ

ٹھیک پانچ بجے صبح
کون مر رہا تھا
ابراہیم نے لیا اپنے ہاتھوں میں آخری رنگ
عناصر میں چھپے ہوئے رازوں کا رنگ
اُس نے تصویر بنائی: ایک مصور اور ایک باغی
ایک زمین، لوگوں، بلوطوں اور جنگ سے
سمندری لہروں، کام کرنے والوں، ہاکروں اور دیہاتیوں سے بارور ہوتی

اُس نے تصویر بنائی
اُس نے تصویر بنائی ڈبل روٹی کے معجزے میں
ایک جسم جو ریزہ ریزہ ہوتے ملک سے بارور ہو رہا ہے
اُس نے تصویر بنائی
انسان اور زمین کے جشن کی: صبح سویرے گرم ڈبل روٹی کا ایک ٹکڑا

زمین تھی ڈبل روٹی کا ٹکڑا
سورج تھا ڈبل روٹی کا ٹکڑا
اور ڈبل روٹی کے اس ٹکڑے میں ابراہیم تھا سب لوگ

چھپاؤ اُس سے
خزاں، چھپاؤ اُس سے اُس کا خون
چھپاؤ اُس سے اعتراض کرتی انگلی، پتھرائے ہوئے پانی کی طرف اُٹھی
اُسے ایک فتح مندانہ تصویر مکمل کرنے دو
مکمل کرنے دو اُسے یہ سور مائی رزمیہ

ختم ہو چکا ہے اب وہ
ٹھیک چھ بجے
اُس کا خون بن چکا ہوگا ڈبل روٹی
اُس کی ڈبل روٹی بن چکی ہوگی خون
اب تک
ٹھیک چھ بجے

معتوب نمبر 48

وہ ایک پتھر پر مردہ پڑا تھا
اُس کے سینے سے انھیں ملا
ایک چاند اور ایک گلاب اور قندیل

اُس کی جیب سے انھیں ملے چند سکے
ایک ماچس اور ٹریول پرمٹ

اور بازو پر گُدا ہوا ایک نشان

اُس کی ماں نے اُسے چوما
اور ایک سال تک روتی رہی
اُس کی آنکھوں میں کانٹے تھے
اور تاریکی تھی

اُس کا بھائی بڑا ہوا
اور کام تلاش کرنے شہر گیا
اُسے جیل میں ڈال دیا گیا
کیونکہ اُس کے پاس ٹریول پرمٹ نہیں تھا
اُس کے پاس ایک تھیلا تھا
اور گلیوں سے اُٹھائے ہوئے خالی ڈبے

میرے مُلک کے بچو!
اس طرح موت ہوئی ایک چاند کی

حمرہ کی رات*

کچھ روشنی طویل گلی میں
کچھ روشنی گھروں کی نیند میں

کچھ روشنی ڈری ہوئی دکانوں میں

کچھ روشنی بیکریوں میں

کچھ روشنی اُس صحافی کے لیے جو اپنے خالی دفتر میں کانپ رہا ہے

کچھ روشنی ایک جنگجو کے لیے

کچھ روشنی مریض کا معائنہ کرتی لیڈی ڈاکٹر کے لیے

کچھ روشنی زخمیوں کے لیے

کچھ روشنی سادہ گفتگو کے لیے

کچھ روشنی سیڑھیوں کے لیے

کچھ روشنی پناہ گزینوں سے بھرے ہوٹل کے لیے

کچھ روشنی ایک گائیک کے لیے

کچھ روشنی پناہ گاہوں میں چھپے ہوئے براڈکاسٹروں کے لیے

کچھ روشنی ایک بوتل پانی کے لیے

کچھ روشنی ہوا کے لیے

کچھ روشنی برہنہ فلیٹ میں دو محبت کرنے والوں کے لیے

کچھ روشنی گرتے ہوئے آسمان کے لیے

کچھ روشنی اختتام کے لیے

کچھ روشنی آخری اعلامیے کے لیے

اور کچھ روشنی ضمیر کے لیے

لیکن کچھ روشنی میرے ہاتھوں کے لیے

* بیروت میں خوش حال لوگوں کا ایک پوش علاقہ

سادہ دل دیہاتی

جب جہاز سمندر سے اندر آئے

تو میں اپنی ماں اور اس کے خاندان کے طرزِ زندگی سے

ناواقف تھا

میں اپنے دادا کی عبا میں رچی تمباکو کی مہک کو جانتا تھا

اور جانتا تھا کافی کی کبھی ختم نہ ہونے والی مہک کو بھی

میں پیدا ہوتا ہوں پالتو جانور کی طرح

صرف ایک ہی زور میں

ہم دونوں زمین کے کناروں پر گرتے ہیں تو روتے ہیں

اس کے باوجود ہم اپنی آوازوں کو

پرانے مرتبانوں میں محفوظ نہیں کرتے

ہم اپنی دیواروں پر

پہاڑی بکریوں کے سینگ بھی نہیں لٹکاتے

ہم اپنی ڈھول سے ایک سلطنت کا مطالبہ بھی نہیں کرتے

نہ ہی دیکھتے ہیں ہمارے خواب دوسروں کے انگوروں کی طرف

ہم ضابطوں کو نہیں توڑتے

میرے نام کے پر نہیں نکلے تھے

اس لیے میں دوپہر سے آگے پرواز نہیں کر سکتا تھا

اپریل کی گرمی مسافر مہمانوں کے ربابوں جیسی تھی

وہ ہمیں فاختاؤں کی طرح اڑنے پر اکسا سکتی تھی
میرا پہلا ڈر، اُس لڑکی کی کشش تھا
جس نے اپنے گھٹنوں پر مجھے دودھ سونگھنے کے لیے ورغلایا
لیکن میں اُس دعوت کے ڈنک سے بھاگ نکلا

ہمارے بھی اپنے اسرار ہیں
جب سورج سفید چناروں سے گرتا ہے
تو ہمیں ان کے لیے رونے کی شدید خواہش جکڑ لیتی ہے
جو بے سبب مر گئے

بابل میں گھومنے یا
دمشق کی مسجدوں میں جانے کا اشتیاق ہمیں گھیرے رکھتا ہے
درد کی ابدی کہانی کے درمیان
کبوتروں کی غٹرغوں میں صرف آنسو ہیں
لیکن ہم سادہ دل دیہاتی
اور اپنے الفاظ پر پشیمان نہیں ہوتے
ایک سے ہوتے ہیں ہمارے نام ہمارے دنوں کی طرح
ہمارے نام ہمیں ظاہر نہیں کرتے
ہم اپنے مہمانوں کی باتوں میں سرایت کر جاتے ہیں

بہت سی چیزیں ہیں ہمارے پاس
زمین کے بارے میں

اِس اجنبی عورت کو بتانے کے لیے
جو ہماری لوٹتی ہوئی چڑیوں کے قینچ پروں سے
اپنے اسکارف کاڑھتی ہے

جب جہاز سمندر سے اندر آئے
اس جگہ کو صرف درختوں نے جوڑے رکھا
ہم اپنے جانوروں کو ان کے باڑوں میں چارہ ڈال رہے تھے
اور اپنے دنوں کو ان الماریوں میں ترتیب دے رہے تھے
جنھیں ہم نے اپنے ہاتھوں سے بنایا
ہم گھوڑوں کو منا رہے تھے
اور خانہ بدوش ستارے کی طرف اشارہ کر رہے تھے

ہم بھی جہازوں میں سوار ہو گئے
رات کو ہماری تواضع
ہماری زیتونوں میں زمردوں کی دمک
اور چرچ ٹاور پر سبک رو چاند کی طرف کتوں کے بھونکنے سے کی گئی
لیکن ہم بے خوف تھے
ہمارے ساتھ ہمارے بچپن کو سوار نہیں کرایا گیا تھا
ہم تو ایک گیت کے ساتھ بھی مطمئن تھے
جلد ہی ہم اپنے گھروں کو لوٹ جائیں گے
جب جہاز اپنا اضافی سامان اتار چکیں گے

پاسپورٹ

انھوں نے مجھے نہیں پہچانا
پاسپورٹ کی تاریکی نے
میری تصویر کے نقش دُھندلا دیے تھے
نمائش میں انھوں نے میرا زخم
اُن سیاحوں کے لیے رکھ دیا جو تصویریں جمع کرتے ہیں

انھوں نے مجھے نہیں پہچانا
میرے ہاتھ سورج کی روشنی تک مت پہنچنے دو
اُس کی شعاعوں میں درخت مجھے پہچان لیں گے
بارشوں کے تمام گیت مجھے پہچانتے ہیں
مجھے چاند کی طرح زرد مت ہونے دو
تمام پرندے
دور دراز ائرپورٹ کی رکاوٹوں کے خلاف
میرے ہاتھ کے اشارے پر چلتے ہیں
گندم کے تمام کھلیان
تمام جھیلیں
تمام سفید قبریں
تمام سرحدیں
تمام لہراتے رومال

تمام سیاہ آنکھیں
تمام آنکھیں
میرے ساتھ تھیں
لیکن انھیں پاسپورٹ سے خارج کر دیا گیا
انھیں ناموں سے محروم کر دیا گیا اور شناخت سے
ایک زمین پر میں اپنے دونوں ہاتھوں کے ساتھ پہنچنا چاہتا تھا
آج ایوب کی آواز پوری جنت میں گونج رہی ہے
مت آزماؤ مجھے ایک بار پھر
واجب الاحترام پیغمبرو
درختوں سے اُن کے نام مت پوچھو،
وادیوں سے اُن کی ماؤں کے بارے میں سوال مت کرو
میرا چہرہ روشنی کی ایک تلوار کو گھماتا ہے
اور میرا ہاتھ ہے دریا کی بہار
لوگوں کے دل ہیں میری قومیت
جاؤ، لے جاؤ میرا یہ پاسپورٹ
(1969)

میں نے قتلِ عام دیکھا

میں نے قتلِ عام دیکھا
میں ایک نقشے کا معتوب ہوں

میں سادہ لفظوں کا بیٹا ہوں

میں نے پتھروں کو اُڑتے ہوئے دیکھا ہے
میں نے شبنم کو بموں کی طرح برستے دیکھا ہے
جب وہ مجھ پر میرے دل کے دروازے بند کر دیتے ہیں
رکاوٹیں کھڑی کرتے اور کرفیو لگا دیتے ہیں
تو میرا دل ایک راستے میں تبدیل ہو جاتا ہے
میری پسلیاں پتھر بن جاتی ہیں
نرگسوں کی بہتات ہو جاتی ہے
بہتات ہو جاتی ہے نرگسوں کی

سمندر کے لیے ایک آسمان

ایک آسمان سمندر کے لیے،
ایک آسمان تتلی کی بیٹی کے لیے
تا کہ وہ ایک ماں کی تصویر بنا سکے،
ایک آسمان ایک کرسی کے لیے

میں نے خود کو سمجھا لیا ہے
یاسمین کو آنے میں بہت دیر بھی ہو سکتی ہے
میں نے خود کو سمجھا لیا اتوار کے بارے میں بھی

میں دریا کو تمھارے ہاتھ سے لے لیتا ہوں
تا کہ وہ اپنے تمام کپڑے اُتار کر برہنہ ہو سکے
اور میں جان سکوں کہ شعاعیں جسم کیسے بنتی ہیں

میں اپنا بازو تم سے چھڑا لوں گا
تا کہ ایک لڑکے کی طرح آخری کرن کو تمھارے ہاتھ پر بیٹھا سکوں
ایک آسمان سمندر کے لیے
اور ایک سمندر باغ کی دیوار کے لیے
دن کی روشنی میری شادی کا بستر ہے
فاختائیں سپاہیوں کی قطاروں پر روشنی کرتی ہیں
اور لڑکی سورج کا ایک ٹکڑا چھیننے کے لیے
خود کو محبوب سے آزاد کرا لیتی ہے
آج میں تم سے اتنی محبت کرتا ہوں
جتنی میں نے اس سے پہلے کبھی نہیں کی
میں نے ہٹا دی ہے یاسمین کی لہروں سے جھاگ
کیا زمین پر امن کے علاوہ بھی کوئی چیز ہے؟
کیا لوگوں میں خوشی کے علاوہ بھی کوئی چیز ہے؟
میں نے تمام باتوں کے لیے خود کو سمجھا لیا ہے
مرجانے دو چاندی کے پرندوں کو ایسے دن پر،
کیا کوئی مرے گا؟

گھوڑے وادیوں میں ہنہنا رہے ہیں

وادیوں میں ہنہنا رہے ہیں گھوڑے،
پہاڑوں پر چڑھنے کے لیے یا پہاڑوں سے اترنے کے لیے
میں اپنی تصویر اپنی عورت کو دیتا ہوں
جب میں مرجاؤں تو اسے دیوار پر لٹکا دینا
وہ پوچھتی ہے: کیا اس کے لیے کوئی دیوار ہے؟
میں کہتا ہوں: ہم اس کے لیے ایک کمرہ بنائیں گے
کہاں، کس گھر میں؟
میں کہتا ہوں: ہم اس کے لیے ایک گھر بنائیں گے
کہاں، کس جلاوطنی میں؟
ہم روتے ہیں اور گیت بھی رونے لگتا ہے ہمارے ساتھ

گھوڑے وادیوں میں ہنہنا رہے ہیں،
پہاڑوں پر چڑھنے کے لیے یا پہاڑوں سے اُترنے کے لیے
کیا ایک تیس سالہ عورت کو ایک زمین درکار ہوسکتی ہے
اپنی راتیں فریم کرانے کے لیے؟
میں بھی اس مشکل پہاڑ کی چوٹی تک پہنچ سکتا ہوں؟
پہاڑوں کے نیچے یا تو پاتال ہے یا محاصرہ،
اور سڑک کا وسط ہے ایک موڑ
کیسا ہے یہ سفر، جس میں ایک شہر دوسرے شہر کو مار رہا ہے؟
میں اپنی تصویر اپنی عورت کو دیتا ہوں، اور کہتا ہوں:
پھاڑ ڈالنا میری یہ تصویر
جب تمھارے اندر ہنہنائے کوئی نیا گھوڑا

گھوڑے وادیوں میں ہنہنا رہے ہیں:
پہاڑوں پر چڑھنے کے لیے یا اُترنے کے لیے

ایک قدیم شہر کے مختصر سے تاثرات

بن جانے دو اُسے اِس سمندر کی ماں
یا یہیں اس جگہ سمندر کی پہلی چیخ
بن جانے دو اُسے وہ، جس نے اُسے ایک لہر سے بنایا
مضبوط ماضی سے یا ایک ہزار گھوڑوں سے
اور جو اُس کے پہلے گلاب میں سویا
بن جانے دو اُسے شام کی لڑکی
کیوں پروا کروں میں
اور کیوں پروا کرے میرا وقت
اُس ہوا کا جو میرا برہنہ خون خشک نہیں کرتی
اور کیوں پروا کروں میں اُس آسمان کی
جو مجھے ایک پرندے سے یا دھوئیں سے بھی نہیں ڈھانپتا؟
کون مجھے مؤذن کی آواز سے اُچھالتا
اور گیتوں کی طرف پھینکتا ہے
کہ میں اُس سے وہ مانگوں
جو اُسے خود سے منسوب ہونا سکھاتا ہے

بن جانے دو اس شہر کو
اس سمندر کی ماں یا سمندر کی پہلی چیخ
ہمیں گانا ہے
خود میں سمندر کی شکست کے لیے
یا اپنے اُن مرنے والوں کے لیے
جو سمندر کے کنارے پڑے ہیں
اس سے پہلے کہ فراموشی ہمیں جذب کر کے خشک کر دے
ہمیں نمک پہننا اور ہر بندرگاہ کا سفر کرنا ہے
کچھ بھی نہیں، جو یہاں زندگی پیدا کرتا ہو

ہم درخت کے پتے ہیں
شکستہ وقت کے الفاظ
جب گھر بانسری سے پسپا ہوتے ہیں،
تو ہم بانسری بن جاتے ہیں
ہم وہ کھیت ہیں
جو صرف پینٹنگز میں ہی پیدا ہوتے ہیں
ہم راگ کی چاندنی ہیں
ہم آئینوں میں وہ دیکھنا پسند کرتے ہیں
جو ہمیں پسند آئے

ہم کسی اور کی زمین سے

روح کے لیے پاؤں رکھنے کی جگہ نہیں مانگ رہے
ہم آواز میں وہ پانی ہیں
جو ہمیں بلاتا ہے لیکن ہم کچھ نہیں سنتے
ہم دریا کا وہ دوسرا کنارہ ہیں
جو آواز اور پتھر کے درمیان پڑتا ہے
ہم اُس زمین کے پیداوار ہیں جو ہماری نہیں ہے
ہم وہ ہیں،
جو ہم اِس زمین میں پیدا کرتے ہیں،
یہ زمین جو ہماری ہے
ہم وہ ہیں،
جو ہمیں جلاوطنی میں پہنچا دیتا ہے
ہم اُس گملے کے پودے ہیں جو ٹوٹ چکا ہے
ہم وہ ہیں، جو ہم ہیں،
لیکن ہم کیا ہیں؟

کیا ہوگا
ایک جگہ حاصل کر کے
اگر ہمیں چکرانا ہے،
اپنے ہی جیسے لوگوں سے پھٹتی اس زمین کے گرد
اور اُس کا ساتھ دینا ہے
جو آخرِ کار اس زمین کو لڑھکا دے گا
ایک اُونچے تخت سے

تا کہ ہمیں کہیں بھی دفن کیا جا سکے

الف، بے۔ یے
ہم اُس لڑکے کی طرح
اِس زمین پر منہ مارنے کے عادی کیسے ہوئے؟
جو ایک پتھر کو
کسی فاحشہ کے لباس پر پھینکی جانے والی رات کی طرح پھینکنے سے پہلے
دانتوں سے آڑو کی طرح کاٹتا ہے

الف،جیم، یے
ہم روشنی میں داخل ہونے کے عادی کیسے ہوئے
جیسے گندم میں داخل ہوتے ہیں گیت
اور شہیدوں کو اس طرح گنتے ہیں
جیسے ہم اپنی بھیڑوں اور بکریوں کی گنتی کر رہے ہوں؟

الف، دال، یے
ہم گرے بغیر
پاتال میں داخل ہوتے ہیں
کیونکہ محبت کے اسیر بھی
گندم کی اُس بالی کی فرمانروائی قائم کرتے ہیں
جو انھیں گرنے سے بچاتی ہے

اپنا وقت لو میرے گیت
اتنا وقت
کہ دل چپکا رہ سکے گلوٹین کے بلیڈوں کی دھار سے
اتنا وقت
کہ میں پاتال پر لگے تالے کی تصویر کھینچ سکوں

یہاں روح پر خراش کون ڈالتا ہے؟
کون خراش ڈالتا ہے روح پر؟
کیوں
کیوں پروا کروں
میں اُس ہاتھ کی
جو صبح کی کافی پر دن کا دروازہ کھول رہا ہے؟
کیوں پروا کروں میں
کہ ایک لیمو ہنس رہا ہے کہ تم بھی ہنس سکو
کہ سورج ایک گلاب کو کھلا رہا ہے تا کہ تم بھی کِھل سکو؟
کچھ نہیں،
کچھ نہیں، سفیدی
ہنی بال کا سر یا انتونی کی انگوٹھی یا ایک شہزادی کا پاجامہ
ایک گیت جو یہاں سے گذرتے لوگوں کو محظوظ کر رہا ہے
ایک پتھر یا ایک پتھر کا نصف،
لوگوں کی موت کو محفوظ کر رہا ہے
ایک پتھر یاد رکھتا ہے

کہ میں صرف یادداشتیں ہوں، یادداشتوں کے الفاظ

اصل ہے زوال
ایک التباس کو دائم کرتا
جو کچھ میں نے سیکھا،
میں اُسے سمجھتا بھی نہیں
اور جو میں سمجھتا نہیں
وہ مجھے اُس وقت یاد آتا ہے
جب بہت دیر ہو چکی ہوتی ہے
ایک لڑکی اپنی ٹانگوں سے
صبح کو دو بستروں میں تقسیم کرتی ہے
بہ ہر طور مشکل کی مشکل میں داخل نہیں ہوتی

کوئی چیز نہیں جو یہاں دل کو متحرک کرتی ہو

ساحل رقاصہ کی کمر پر بندھی گھنٹیوں کے گرد چکراتا ہے
بادشاہ سمندر کو جھاگ کا تاج پہناتے ہیں
اِس وقت اُس جسم میں
کیا ختم ہونے والا ہے لمحے بھر میں؟
کیا ہے جو شروع ہونے والا ہے؟
ہوسکتا ہے وہ مچھلی کے شکار کے دوران سمندر کو ہڑپ کر جائے
کچھ بھی شروع ہونے والا

کچھ بھی ختم ہونے والا
ایک ملک کی قبر سے جنم لیتا ہے
ایک اور ملک
چور خدا کی عبادت کرتے ہیں
تا کہ اُن کے لوگ اُنھیں پوجیں
دائم ہیں بادشاہ
دائم ہیں غلام
کوئی نہیں
جو یہ پوچھے: کیا ہے یقینی
لیکن
میں کیوں
کروں فکر
سیزر کو کوئی نہیں بتاتا
میں کیوں پروا کروں
اِس ملک کے ولی عہد شہزادے کی؟
آہ!
میں کیوں
پروا
کروں
جب تک روح ہے
جب تک سلطان کی انگیٹھی میں کوئلے ہیں؟
کچھ بھی تو نہیں، جو یہاں روح کو متحرک کرتا ہو

ایک ہزار کھڑکیوں نے

اُس سمندر کو نظر انداز، کیا جس نے یونانیوں کو ڈبو دیا

تاکہ رومی ہمیں ڈبو سکیں

دیواریں سفید ہیں

لہریں نیلی ہیں

خوشی سیاہ ہے

اور مشتعل ہے خون کے آئینے کا خیال

عائشہ پر مقدمہ چلاؤ

ثابت کرو عائشہ کی معصومیت

کچھ بھی تو یہاں روح کو متحرک نہیں کرتا

...لیکن یہ شہر نہیں ہیں

یا جو بھی یہ چاہے،

جو بھی یہ چاہے

کیوں میں پروا کروں ہر صبح کی

جو سب سے پہلے میرے پاس نہیں آتی، مری صبح نہیں

نہیں...؟

میں کیوں پروا کروں اُن تمام ہواؤں کی

جو مجھے فاصلوں میں نہیں توڑتیں میری ہوائیں نہیں

نہیں...؟

کیوں میں پروا کروں، ان تمام زخموں کی

جو مجھ میں ایک تازہ خدا کو پیدا نہیں کرتے

میرے زخم نہیں ہو سکتے

نہیں...؟

میں کیوں پروا کروں؟

جو بھی ہتھیار میرے ہاتھ میں ہیں

اگر وہ اناج میں روٹی کو واپس نہیں کرتے

تو میرے ہتھیار نہیں ہو سکتے

جس نے بھی یہ دیوار بنائی ہے

اُسے میرے دادا بن جانے دو

بن جانے دو اُسے میرا دشمن

اور جس نے بھی اس شہر کا نام رکھا ہے

بن جانے دو اُسے

سردار

یا محبوب یا محبوبہ

یا کچھ بھی نہیں

اور بن جانے دو نرگس کی اِن آنکھوں کو

حوا کی پیدائش سے رازوں کی امین

میں تو گم ہو چکا ہوں

پتھر اور جنت کے درمیان

میں کیوں پروا کروں

اس آسمان کے بارے میں

جس میں کبھی نہیں اُڑائے
میں نے اپنی فاختاؤں کے جھنڈ
جس میں کبھی نہیں چنے میں نے اپنے خواب
نہ ہی پکڑا ہے ایک چاند
جس بھی شاخ نے میرے بچپن کا کھیل نہیں کھیلا
اور نہ ہی میرے ہاتھوں میں ڈالی ہے خراش
وہ میرے درخت کی شاخ نہیں ہوسکتی
اب جو بھی ہو
کوئی چیز نہیں دیتی یہاں روح کو تحریک

جگہ ایک خوشبو ہے،
پہلی عورت کی پُراسرار ریت
صبح کی کائی کھڑکی کھول رہی ہے
دیوار پر سمندر لٹکا رہا ہے، باپ

جگہ ہے اشتہا
پہلی دو ٹانگوں کا پہلا قدم میرے جسم میں آگ لگا دیتا ہے
میں جان جاتا ہوں اپنے جسم کو اور اپنے اندر چھپی ہوئی نرگسیت کو

جگہ ہے پہلی بیماری
ماں ایک لباس کو دھونے کے لیے بادل پکڑ رہی ہے
جگہ ہی تھی

جو مجھے کھیلنے سے روکتی تھی اور روکتی ہے

جگہ ہے فاتحہ
جگہ ہے پہلا سال،
پہلے آنسو کی آواز
پانی دیکھ رہا ہے لڑکیوں کو،
پہلی جنسی محسوسات کا درد،
تلخی ملا شہد،
ایک گیت سے آ رہی ہے ہوا،
میرے پُرکھوں کی پہاڑی،
میری نرم خو ماں
جگہ ہے وہ شے جو مجھ سے سفر شروع کرتی ہے
اور مجھی پر ختم کرتی ہے
جگہ ہے میرے اندر پھیلی زمین اور تاریخ
جگہ ہے وہ شے جو میری طرف اشارے کرتی ہے
افسوس کچھ بھی روشن نہیں کرتا اس جگہ کا نام

مبارک، اذیت میں مبتلا سمندر!
اے سمندر، تو ہی طیر سے اسپین تک بہتا ہے،
اے سمندر، تو ہی ہم سے چھینا گیا جیسے ایک شہر،
ایک ہزار کھلی کھڑکیاں نظر انداز کرتی ہیں تیرا گہرا نیلا تابوت
اس کے باوجود مجھے دکھائی نہیں دیتا خیال میں ڈوبا ایک شاعر

یا ایک عورت کا مرتفع
تمام شروعات کے سمندر، تو واپس کہاں جائے گا؟
طیر سے اسپین تک
محصور سمندر
زمین اب گھوم رہی ہے
تو بھی کیوں نہیں جاتا واپس جہاں سے آیا ہے؟

اوہ! کون اس سمندر کو بچائے گا؟
بج گیا ہے سمندر کا گھنٹہ
خود کو ڈھیلا کرتا ہے سمندر
کون بچائے گا ہمیں سمندر کے کینسر سے؟
کون اعلان کرے گا کہ سمندر مر چکا ہے؟

مبارک! قدیم سمندر
تو نے ہی، اے سمندر ہمیں بچایا جنگلوں کی تنہائی سے
تو نے ہی، تمام شروعات کے سمندر (سمندر غائب ہو جاتا ہے)
ہمارا نیلا جسم،
ہماری خوشی، یافا سے کارتھیج تک کھنچے رہنے سے تھکی ہماری روح،
ہمارے شکستہ گھڑے،
ہماری گمشدہ کہانیوں کے پتھر،
ہم نے تہذیبوں کی داستانیں تلاش کرنا چاہیں
لیکن تلاش کر سکے صرف سمندر کے کنارے پڑا کاسۂ سر

ہماری پہلی خوشی، ہماری حیرت
کیا سمندر بھی مر سکتا ہے،
آدمی کے اندر مرنے والے آدمی کی طرح
یا خود سمندر کے اندر؟
اس جگہ کوئی شے سمندر کو متحرک نہیں کرتی
کبھی
ہم سفر سے مانوس تھے
تمام جگہیں جھاگ بن گئیں
جس پر ہم تیرتے
ہوا کے ساتھ فرمانروائی کرتے
ہم گھوڑوں کی ہنہناہٹوں کے عادی ہوئے

کبھی
ہم سفر سے مانوس تھے
تمام زمانے ہلاکتوں
کا وقت بن گئے
ہم ایک بار نہیں کئی بار مرے، ہم ایک بار نہیں کئی بار مرے
اور راہب تو تھے تلوار کے خدمت گار،
پہلی عبادت گاہ سے آخری انقلاب تک
لیکن محبت کے اسیر آدمی نے نرگس کی پرستش کی

مبارک، اسیر زمین

خدا ہی کی چھوٹی سے جنت میں

خدا کی سزا ہمارے اندر پروان چڑھتی ہے

کس کو ضرورت ہے ایک معتوب کی

سمندر کا نوٹس لینے کے لیے؟

کس کو ضرورت ہے محبت طلب فاختہ کی

تا کہ اُس کا بیٹا کسی ٹیسٹ ٹیوب یا بندوق میں قیام پائے؟

کس کو ضرورت ہے ایک معتوب کی

تا کہ روم کے آخری ایام کا واحد آقا بنے؟

کس کو ضرورت ہے یوم حساب کی

تا کہ اپنے جڑواں قاتلوں کو شناخت کے بغیر تلاش کرے؟

کس کو ضرورت ہے آرام کی؟

کس کو

ضرورت ہے

آرام کی؟

یہاں زمین ہے

چاہے جو کچھ بھی اُس پر ہو

چاہے جو بھی اُس پر چلے

صرف ایک بندوق

یہاں زمین روم کے ماتحت ہے

لیکن روم کا وقت بھی ہو چکا

ہو چکا

ہر دن ہے آخری دن

اور خواب میں دھاتی آگ

تو مبارک

اے زمین اے معتوب

اور جو کوئی بھی رات میں رات کی طرف جاتا ہے وہ میں ہوں،

اور بانسری جو میدانوں کو کاٹ رہی ہے

وہ جو بلایا جا رہا ہے،

وہ جو بلا رہا ہے لیکن کوئی اُسے نہیں بلا رہا، میں ہوں وہ

جو بھی میں پسند کرتا ہوں، سایہ اُسے نگل لیتا ہے

ہر لڑکی جو مجھے فوری بوسے کے لیے کہتی ہے

مجھے میری روح اور قدموں سے محروم کر دیتی ہے

جو بھی پرندہ ادھر سے گذرتا ہے میرے زخموں سے میری روٹی کھاتا ہے

اور دوسروں کے لیے گاتا ہے

جو بھی محبت کا نشانہ بنتا ہے مجھے پکارتا ہے

تا کہ میری دشمن تتلیاں بڑھ سکیں

ہر وہ لڑکی جو اپنے پستانوں کو چھوتی ہے

میرے دل کو دو پرندوں کی خراشوں سے سمٹا دیکھنا چاہتی ہے

ہر درخت کا تنا جسے میرے ہاتھ چھوتے ہیں بادلوں سے محروم ہو جاتا ہے

ہر وہ بادل جو میرے گیت پر اُترتا ہے تاریکی میں تبدیل ہو جاتا ہے

ہر وہ زمین جس سے میں ایک بستر ہونے کی امید کرتا ہوں

پھانسی کے تختوں کی طرح لڑکھڑانے لگتی ہے
جب محبت پسپا ہوتی ہے، میں اُس سے محبت کرتا

میں سفید نرگس سے محبت کرتا ہوں
جب وہ میرے ہاتھ پر اُگے اور میرے گیت میں بڑھے
میرا انتظار کر، میرے گیت
شاید ہم اس جگہ پر دریافت کر لیں
اُن دو اجنبیوں کے لیے، روح کے لیے ایک بنیاد
جو اس زمین سے گذرے
لیکن ایک دوسرے سے ملے نہیں
اوہ، یہ بدقسمت جگہ
اوہ، کچھ بھی یہاں دل کو متحرک نہیں کر سکتا

ہم اب اس حال میں ہیں
ہم قتلِ عام کی نسل ہیں
ایک قوم جو اپنی ماں کی چھاتیوں سے محروم ہے
ایک قوم جو اپنے خوابوں کے سرپرستوں کو قتل کرتی ہے
چاندنی راتوں میں
اور اُس کی آنکھوں سے ایک آنسو بھی نہیں گرتا

کہاں ہے اس درخت کا سایہ؟
ہم اب اس حال میں ہیں

کبھی ہم خود اپنی زندگیاں چلاتے تھے
اور اب کون ہے جو ہمیں کنٹرول کرتا ہے؟

ایک سردار ملک کے نام پر
اپنے بھائی کی سینے میں چھرا گھونپتا ہے
اور اپنی بخشش کے لیے عبادت کرتا ہے

کہاں ہے اس درخت کا سایہ؟

اب ہم اس حال میں ہیں
کیا وہ مر چکے ہیں کہ میں گا سکوں
یا وہ بانسری کے لیے ایک خیمہ لگا سکتے ہیں؟
جب بھی میں نے اُن کی پیروی کی
ایک صحرا میرے لیے کھل گیا
اور ایک چکاوک مر گیا

کہاں ہے درخت کا گھر

اب ہم ایسے حال میں ہیں
سمندر اب ایک اور ہجرت نہیں کر سکتا
اور خود سمندر میں ہمارے لیے کوئی جگہ نہیں
ایک خیال دوسرے خیال کو جنم دیتا ہے:

بندوق ایک آلہ بن سکتی ہے
ایک معجزہ یا پھولوں کا مذہب نہیں
بندوق
روح کی سرپرست تو بن سکتی ہے
لیکن بوسیدہ ڈالیوں کی ملازم نہیں
کہاں ہے درخت کا تنا؟

اب ہم اس حال میں ہیں
قاتل ہے وہ بھی جو کسی کا قتل ہوتے ہوئے دیکھتا ہے اور کچھ نہیں کہتا
انھوں نے اُس کا نام تبدیل کر دیا ہے
تبدیل کر دیا ہے میری فتح کا نشان
اپنے ہاتھ پر میرے خون سے
اور میری آنکھیں اپنی آنکھوں میں لگالی ہیں تاکہ میں کہہ سکوں
کہ میں نے اُسے کبھی نہیں دیکھا

کہاں ہے... کہاں ہے درخت؟
ہم اس حال میں ہیں
اب ہماری موت میں کوئی موت نہیں
دریا کاٹھی سے شروع نہیں ہوتا
نہ ہی لذت
ایک پہاڑ کو اپنے بازوؤں میں چھپانے کے لیے دباؤ ڈالتی ہے
نہ ہی پیتل کے مذہب کی شام

میرے گیت سے ڈگمگاتی ہے
نہ ہی لوگ
زیادہ لطف کے لیے دوزخ کے لیے قطار بناتے ہیں
ہم نے تمھیں گمراہ کیا ہے لوگو!
ہم نے اُس پودے کو بھی گمراہ کیا
جس نے تمھیں ہم سے چھپایا
اب ہمارے اندر کوئی موت نہیں ہوتی،
چٹان میں کوئی ریدھم نہیں
پانی کے واقعے میں کوئی چٹان نہیں
آؤ ہم اُس کی طرف چلیں جو ہمارے پاس نہیں ہے
اور دیکھیں کہ ہمارے اندر کیا نہیں ہے
ہمارے پاس لوگوں کے لیے کوئی دعوت نامہ نہیں
ہم ایک قتل عام سے دوسرے قتل عام کی طرف جاتے ہیں
ہم چلتے ہیں تاکہ چلائیں:
سنو! یہاں ایک گلاب ہے۔ آؤ اسے تباہ کریں

ہم نے تمھیں گمراہ کیا ہے میرے لوگو!
میرے گیت کے لوگو!
جب سے خدا اپنے خیالوں سے نکل کر بیت المقدس آیا ہے
ایسی کوئی پہاڑی نہیں بچی جس پر ہم اپنی آوازیں تعمیر کر سکیں
یا بخشش کے لیے عبادت کر سکیں

اب ہم اس حال میں ہیں
جب کبھی ہمارے معتوبوں میں کوئی پیغمبر پیدا ہوتا ہے
تو ہم خود اپنے ہاتھوں سے اُسے
ذبح کر دیتے ہیں
مجھے بولنے کا حق ہے
اور پادری کو ہلاک کرنے کا
مجھے پرندوں کا حق ہے
اور منصف کو افق کی حدود کا
مجھے خواب دیکھنے کا حق ہے
اور جلاد کو میری بات سننا ہوگی
یا دروازہ کھول کر میرے خواب کو فرار کا موقع دینا ہوگا
مجھے آزادی ہے
مجھے آزادی ہے میں جس طرح چاہوں لکھوں
ایک لفظ سے دوسرے لفظ پر چھلانگ لگاؤں
اور اپنے وقت پر الزام لگانے کے لیے اپنا ہاتھ کاٹ لوں

موت میں کوئی ایسی موت نہیں جو مجھ پر سایہ کرے
اور اُس عورت کی طرح میرے جسم میں داخل ہو
جس نے مجھے خود کو حاصل نہ کرنے کی لذت سے محروم کر دیا
میرا خواب مجھے صرف اس لیے چھوڑتا ہے کہ میں ہنسوں
یا لوگ ہنسیں
جیسے وہ کسی ایسے آدمی پر ہنس سکتے ہیں

جو اپنے خواب کو طوائفوں کی منڈی میں لے جا رہا ہو
ایک اونٹ کی طرح
یہ موت موت نہیں ہے
نہیں

میں اپنی شروعات کے بارے میں کچھ نہیں جانتا
اس لیے میں دریا کے قریب جانے کا خواب دیکھتا ہوں تاکہ میں
خود بھی ایک دریا بن سکوں
نہیں میں ایسی موت نہیں مروں گا جس میں موت نہ ہو
میری روح ایک پتھر ہے
میری لڑکی اور خواب پتھر ہیں
میں اُن کے لیے کوئی اور خواہش نہیں کرنا چاہتا
ایک پتھر کا کوئی رنگ نہیں ہوتا
میری رات ایک پتھر ہے
میرا سایہ ایک پتھر ہے جو میرے اوپر
اور میرے جسم کے درمیان پھسلتا رہتا ہے
میری روٹی پتھر ہے
میری وائین پتھر ہے

میں موت میں نہیں مر سکتا
اُس میں اب کوئی موت نہیں
کوئی شے نہیں کر سکتی
یہاں موت کو متحرک...

محمد

شیطانی پرتلے آسمان سے خوفزدہ،
محمد،
اپنے باپ کے سینے میں سر چھپانے کی کوشش کرتا ہے
ابا! مجھے اس اُفقی اُڑان سے بچاؤ،
کمزور ہیں میرے پَر اس ہوا کے سامنے،
اور روشنی سیاہ ہے

گھر جانا چاہتا ہے
محمد
سائیکل یا نئی قمیض کے بغیر
وہ تڑپتا ہے، اسکول کی بنچوں کے لیے
قواعد اور گردان کی کاپیوں کے لیے
ابا! مجھے گھر لے چلو
سمندر کے ساحل پر، پام کے درختوں کے نیچے
اور، اُس سے آگے نہیں، اور آگے نہیں

پوری ایک فوج کے مقابل ہے
محمد

پتھروں اور ٹوٹتے ستاروں کے بغیر
اُس دیوار کی موجودگی کو محسوس کیے بغیر
جس پر لکھا جاسکتا ہے:
میری آزادی نہیں مرے گی
وہ آزادی جو ہے ہی نہیں کہ بچانے کی کوشش کی جائے
کوئی تناظر نہیں اُس کے پاس
پابلو پکاسو کی فاختاؤں کے لیے
وہ پیدا ہوتا ہے اور ہوتا رہتا ہے
وہ اُس نام میں پیدا ہوتا ہے
جو اُس کے لیے تمام ملامت سہتا ہے
کیسے،
کیسے اُس کا وجود کئی بار پیدا کرے گا
ایک ہی بچے کو
ایک گھر کے بغیر...
بچپن کے لیے وقت کے بغیر؟

محمد
اُس موت کو اپنی طرف بڑھتے ہوئے دیکھتا ہے
جس سے بھاگا نہیں جاسکتا
اُس کی یاد میں آتا ہے ایک چیتا
جسے اُس نے ٹی وی اسکرین پر دیکھا تھا
مدد کے لیے گڑگڑاتے ایک بچے کو گھیرتا

یہ خونخوار درندہ

جب قریب آکر دودھ سونگھے گا تو اُس پر نہیں مارے گا

اپنا خونی پنجہ

جیسے دودھ نے اس خونخوار درندے کو سدھا دیا ہو

اب میں بچ جاؤں گا، بچہ روئے گا اور کہے گا:

میری زندگی، وہاں چھپی ہے

میری ماں کے سینے میں... میں بچ جاؤں گا...

اور دیکھوں گا

محمد

ایک لاچار فرشتہ

اپنے بے رحم شکاری کی بندوق سے نکلتے

پتھر کی ماریں، ایک گھنٹے تک

کیمرے نے اُس بچے کی تمام نقل وحرکت کا سُراغ لگایا

جو اپنے ہی سائے میں تحلیل ہو رہا تھا

صبح کی طرح واضح تھا اُس کا چہرہ

سیب کی طرح واضح تھا اُس کا دل

موم بتیوں کی طرح واضح تھیں اُس کی دس اُنگلیاں

اتنی واضح تھی اُس کی پتلون پر اوس کہ

اُس کا شکاری منعکس ہو سکتا تھا

دوبار

اور کہہ سکتا تھا:

میں اسے چھوڑ سکتا ہوں، اُس وقت تک

جب تک یہ ہجے کرتا ہے، فلسطین کے

اپنے فلسطین کے، کسی غلطی کے بغیر

اس کا فیصلہ اب میں اپنے ضمیر پر چھوڑتا ہوں

لیکن ماردوں گا، اُسی دن

جس روز یہ بغاوت کرے گا

محمد،

ایک شیر خوار مسیح

سوتا اور خواب دیکھتا ہے

تانبے میں ڈھلا

شبیہوں کے دل میں

زیتون کی شاخ میں

اور پھر سے تازہ کی گئی ایک روح میں

محمد

پیغمبروں کی ضرورت سے ماورا خون

اُس کے لیے جو انھوں نے چاہا اور اُتارا گیا

آخری درخت پر

محمد

مت سونا

چاند
شکستہ آئینوں کی طرح گرتا ہے
سائے ہمارے درمیان بڑے ہو جاتے ہیں
اور داستانی کردار مرجاتے ہیں
مت سونا، میری جان
تمغے بن گئے ہیں ہمارے زخم
آگ بن گئے ہیں ایک چاند پر

ہماری کھڑکی سے اُدھر ہے ایک روشن دن
اور ایک اطمینان کا بازو
جب وہ مجھ سے مل کر پرواز کر جاتا ہے
تو میں اناروں پر بہار کے ہاروں میں
میں ایک تتلی بن جاتا ہوں

مت سونا، مری جان
ہماری کھڑکی سے ادھر ہے ایک روشن دن

گلاب مرے ہاتھ سے گر جاتے ہیں
مہک اور بے حسی کے بغیر

مت سونا، مری جان
پرندے خودکشی کر رہے ہیں
میری پلکیں ہیں مکئی کی بالیاں
رات اور تقدیر کو پیٹتی
تمھاری میٹھی آواز ایک بوسہ ہے
سریلے تاروں کا ایک حصہ
اپنی جڑوں، سورج اور بارش کو تلاش کرتی
زیتون کی ایک شاخ
جلاوطنی میں
ایک پتھر پر روتی ہے

مت سونا، مری جان
پرندے بھی خودکشی کرنے لگے ہیں

جب چاند
شکستہ آئینوں کی طرح گرتا ہے
سایہ ہماری شرمندگی کو پیتا ہے
اور ہم اپنے فرار کو چھپاتے ہیں
جب چاند گرتا ہے
محبت ایک رزمیہ بن جاتی ہے

مت سونا مری جان

تمغے بن گئے ہیں ہمارے زخم
اور تاریکی پر ہمارے ہاتھ ہیں
سریلی تار پر ایک بلبل

آدمی کے لیے

انھوں نے اُس کا منھ بند کیا
اُس کے ہاتھوں کو مُردوں کی چٹان میں کسا
اور کہا: قاتل

انھوں نے اُس کی روٹی
اُس کے کپڑے
اور اُس کے بینر چھین لیے
اُسے مجرموں کی کوٹھری میں دھکیلا
اور کہا: چور

وہ اُسے ہر بندرگاہ سے دور لے گئے
اُس کی نوجوان محبوبہ کو اغوا کرلیا
اور کہا: مہاجر

سنو، اے خونی آنکھوں اور لہو میں ڈوبے ہاتھوں والو!
رات زیادہ دیر نہیں رہتی،
ہمیشہ قائم نہیں رہتے بندی خانے
نہ زنجیروں کی کڑیاں ہمیشہ جڑی رہتی ہیں
نیرو مر جاتا ہے، روم نہیں مرتا،
اپنی انھی آنکھوں کے ساتھ وہ لڑتا ہے
اور انھی خشک کانوں کی بوائی
وادی کو گندم سے بھر دے گی

آئیں گے مزید وحشی

اور وحشی آئیں گے
سلطان کی ملکہ اغوا ہوگی
اور
اور ڈھول بجیں گے زور زور سے

زور زور سے بجیں گے ڈھول
تا کہ گھوڑے
انسانی جسموں کو پھلانگتے ہوئے جائیں
بحرِ ظلمات سے داردنلز تک

لیکن ہم کیوں فکر کریں؟
کیا لینا دینا ہماری عورتوں کا گھڑ دوڑ سے؟

سلطان کی ملکہ اغوا ہو گی
ڈھول بجیں گے زور زور سے
اور مزید وحشیوں کی آمد ہو گی
وحشی آئیں گے
اور شہروں کو خالی پن سے بھر دیں گے،
سمندر سے قدرے اونچے
دیوانگی کے لمحوں میں تلوار سے زیادہ قادر

تو ہم کیوں فکر کریں؟
کیسے پیش آنا ہوگا ہمارے بچوں کو
بے حجابی کی اولادوں سے؟

ڈھول بجیں گے زور زور سے اور آئیں گے اور وحشی

ملکہ کو اُس کی خوابگاہ سے اغوا کیا جائے گا
اسی خوابگاہ سے شروع کرے گا وہ ایک فوجی حملہ
تا کہ اپنی ہم بستر کو واپس اس کے بستر پر لا سکے

تو ہمارا کیا، ہم کیوں کریں فکر؟

کیا تعلق ہے پچاس ہزار معتوبوں کا
کسی کی ایک شب ہم بستری سے؟

کیا پیدا ہو سکتا ہے ہومر ہمارے بعد بھی؟
کیا اساطیر کھول سکیں گی ہجوم پر اپنے دروازے؟

وہ جو لفظوں کے درمیاں گذرے

تم جو جاتے ہوئے لفظوں کے درمیان سے گذرے ہو
اپنے نام بھی لے جاؤ اور چلے جاؤ
چھوڑو ہمارا وقت
اور اپنے گھنٹے اور چلے جاؤ
سمندر کی نیلاہٹ اور یادداشت کی ریت میں سے
جو بھی تم سے ممکن ہو سکے گا، تم ضرور چرا لو گے
تا کہ تم سمجھ سکو
اور جو تم کبھی نہیں سمجھ سکو گے
کس طرح ہماری زمین کا ایک پتھر
آسمان کی چھت ڈالتا ہے

معدوم ہوتے لفظوں کے درمیان سے گذرنے والو!
تمہاری اور سے تلوار، ہماری طرف سے خون

تمہاری اور سے فولاد

ہماری طرف سے گوشت

تمہاری طرف سے ایک اور ٹینک

ہماری طرف سے پتھر

تمہاری طرف سے آنسو گیس

ہماری طرف سے وہی آنسو اور بارش

ہم پر بھی اور تم پر بھی آسمان

ہمارے لیے بھی اور تمھارے لیے بھی ہوا

اس لیے لے لو ہمارے خون میں سے اپنا حصہ

اور چلے جاؤ

جاؤ چلے جاؤ کسی رقص کی تقریب میں

ہمیں تو ابھی اور آبیاری کرنی ہے

پھولوں کی، شہیدوں کی

ہمیں تو ابھی اور زندہ رہنا ہے

جہاں تک بھی ممکن ہو سکے گا

گذرتے ہوئے لفظوں کے ساتھ جانے والو!

بہتر ہے

خاک بن کر جاؤ جہاں بھی جانا چاہتے ہو

لیکن ہمارے درمیان سے مت گذرو اُڑتے ہوئے کیڑوں کی طرح

ابھی بہت کام ہے جو ہمیں اپنی زمین پر کرنے ہیں

ہمیں گندم اُگانی ہے

جس کی آبیاری

ہمیں اپنے جسموں کی شبنم سے کرنی ہوگی

اور بھی بہت کچھ

جس کا ہونا تمھیں خوش نہیں کرے گا

پتھر یا تیتر

اس لیے،

اگر تم چاہو تو نوادرات کے بازار سے

ماضی بھی لے جاؤ

اور اگر ہو سکے

تو ڈھانچہ واپس کر دینا

کسی تشتِ خاک پر

ہمارے پاس جو بھی ہے

وہ تمھیں خوش نہیں کرے گا

مستقبل ہے ہمارے پاس

اور وہ بہت کچھ جو ابھی ہمیں اپنی زمین پر کرنا ہے

اے گذراں لفظوں کے درمیان جانے والو!

اپنی خوش فہمیوں کو

اس ویران گڑھے میں ڈھیر کر دو، اور چلے جاؤ

لیکن وقت کا ہاتھ لوٹا دو

دے دو وقت کا ہاتھ سونے کے بچھڑے کے قانون کے ہاتھ میں

یا ریوالور کی موسیقی کے قانون کو
کیونکہ ہمارے پاس تو جو کچھ ہے
وہ تمھیں خوش نہیں کر سکے گا
اس لیے بہتر ہے کہ نکل لو

اور ہمارے پاس وہ ہے جس سے تم محروم ہو
ایک لہولہان وطن
ایک وطن جو یادداشت کے افق پر سجتا ہے

گذرتے ہوئے لفظوں کے درمیان گذرنے والو!
وقت ہے کہ تم رخصت ہو جاؤ

رہنا ہے تو رہو
جہاں بھی تمہارا دل چاہے
لیکن یہاں ہمارے درمیان نہیں
یہ وقت ہے کہ تم چلتے بنو
مرو، جہاں کہیں بھی تمہارا دل چاہے
لیکن یہاں ہمارے درمیان نہیں
کیونکہ ہمیں یہاں، اپنی زمین پر، بہت کام ہیں
یہاں ہمارا ماضی ہے
یہاں ہماری پہلی چیخ ہے، ہماری زندگی ہے
یہاں ہے ہمارا حال

یہیں ہے ہمارا حال اور ہمارا مستقبل
یہیں ہے ہماری یہ دنیا اور وہ بھی
جو اس کے بعد ہوگی
اس لیے چھوڑ دو
ہماری زمین، ہمارا سمندر
ہماری گندم، ہمارا نمک، ہمارے زخم
ہماری ہر چیز
اور رخصت ہو جاؤ، یادداشتوں کی یاد
جاتے ہوئے لفظوں کے ساتھ جانے والو!

بحر مردار کے کنارے سنگِ کنعانی پر

سمندر مجھ پر کوئی دروازہ نہیں کھولتا
میں کہتا ہوں میری نظم
میرے باپ کی طرف اڑتا ہوا ایک پتھر ہے
جیسے ایک تیتر
کیا تم نے کچھ سنا کہ مجھ پر کیا گذری؟
سمندر مجھ پر کوئی دروازہ بند نہیں کرتا
کوئی آئینہ نہیں کہ
نقرئی جھاگ کا رستہ بنانے کے لیے
اسے توڑ سکوں، کیا کوئی کسی کے لیے

روتا ہے، جو میں

اس کے لیے بانسری لیے پھروں

اپنے ہی ملبے کے راز کھولوں؟

میں الاغوار میں

نمک کے چرواہوں میں سے ہوں

ایک پرندہ میری زبان چنتا ہے

وہ میرے خیمے میں گھونسلا بنا رہا ہے

بکھرے ہوئے آسمان سے

کیا اب بھی وہاں کوئی ملک ہے

جو میرے اندر بہتا ہے

کہ میں اس کی طرف ایسے دیکھوں

جیسے میں چاہتا ہوں

کہ وہ بھی میری طرف دیکھے

سنگِ ابدیت پر میرے وجود کے مغربی ساحل کی جانب

تمام کے تمام درخت تمھاری غیر حاضری ہیں

اور میرے اس دھویں سے

اور تمھاری طرف سے تمھیں دیکھتے ہیں

اُریحا اپنے کھجور کے قدیم درختوں تلے سوتی ہے

اور مجھے ایسا کوئی دکھائی نہیں دیتا کہ جو

اس کے جھولے کو ہلکارے دے

خاموشی ہے ان کے حافظوں میں، سو جاؤ

میں نے اپنے نام کے جڑیں تلاش کیں

اور ایک جادوئی چھڑی سے

ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا

کیا میرے خواب

میرے عزیز معتوبوں یا میرے خیالوں کو

پا سکیں گے؟

تمام پیغمبر میرا خاندان ہیں

اس کے باوجود

جنت،

اب تک

اپنی زمین سے دور ہے

جیسے میں دور ہوں اپنے لفظوں سے

یہاں کوئی ہوا مجھے ماضی سے بلند نہیں کرتی

کوئی ہوا اس سمندر کے نمک سے ایک لہر کو نہیں توڑتی

کہیں نہیں ایسے سفید پرچم

جنھیں مرنے والے

خود سپردگی کا اعلان کرنے کے لیے لہرا سکیں

کوئی آواز نہیں زندوں کے لیے

کہ وہ امن کے اعلامیوں کا تبادلہ کر سکیں

صبح کے وقت سمندر میرے نقرئی سائے کو لے جاتا ہے

اور چرواہے مجھے:

میرے پہلے الفاظ
اور میری پہلی عورت کے پستانوں کی طرف
ملحدوں کے رقص کے دوران وہ ایک مردہ رہا
اور زندہ مرا، اپنے ہی مقام کے گرد رقص کرتا
اجنبی! اپنے گھوڑے کو روکو
مصر، شمال اور ایشیا کے تیراہے پر
ہمارے کھجور کے درختوں تلے،
شام کی سڑکوں پر
غیر ملکی جنگجو اپنے خود تبدیل کرتے ہیں
اُس ناز بو سے اکڑائے گئے بالوں والے
جوان فاختاؤں سے اُگتی ہے
جو گھروں اور اس سمندر سے آتی ہیں
جو موت سے تہی عہد ناموں میں
یکسانیت سے مرجاتا ہے

اگر تم، صرف تم ہو
تو میں، صرف میں ہوں
وہاں جہاں تمہاری طرح، میں اجنبی ہوں
اپنے بچپن ہی سے، کھجور کے ان صحرائی درختوں کے لیے
اس پرہجوم عبادت میں
میں، میں ہوں
ایک جنگ تیز تر ہو رہی ہے، میرے خلاف

اور ایک جنگ تیز تر ہو رہی ہے
میرے اندر

اجنبی!
اپنے ہتھیار لٹکا دے
کھجور کے اس درخت سے تاکہ میں
کنعان کی اس مقدس زمین پر
پنی گندم بوسکوں

لے لے ایک گلاس وائن میری چھاگل سے
ایک صفحہ کتاب الٰہی سے
ایک حصہ میرے کھانے کا
اور ایک غزال
جو ہمارے گڈریے کے گیت کے جال میں
پھنس گیا ہے

لے جا کنعانی عورت کی دعائیں
اس جشن پر جو وہ اپنے انگوروں کے لیے مناتی ہے
لے لے ہمارے آب پاشی کے ملبوس اور ہمارا فنِ تعمیر

ایک اینٹ رکھ اور تعمیر کر لے
فاختاؤں کا مینار،

ہم میں سے ایک ہونے کے لیے
اگر تم یہی چاہتے ہو: ہمسائے بن جاؤ
ہماری گندم کے، ستارے لے لو ہم سے
ہماری ابجد کے، اجنبی

میرے ساتھ آسمانی پیغام لکھو
اس انسانیت کے نام
جو فطرت سے خوفزدہ ہے
اور مرے ہوؤں سے

اُریحا کو اس کی کھجوروں کے درختوں تلے چھوڑ دو
لیکن مرے خواب مت چراؤ
مت چراؤ دودھ میری عورت کا،
اور پتھروں کی دراڑوں سے چیونٹیوں کا کھانا

کیا ایسا نہیں ہوا:
تم آئے
تم نے قتل کیے
اور وراث بن گئے؟
تا کہ اس سمندر کے نمک کو بڑھا سکو

میں ہوں، سبز سے سبز تر ہوتا

یہ میں ہوں
میں
بذاتِ خود
اور یہ میری جگہ ہے
میری جگہ میں
اور اب میں تمھیں دیکھتا ہوں ماضی میں
جس طرح تم آئے ہو
تم نے مجھے نہیں دیکھا
میں اپنے حال کے لیے
اس کا کل روشن کرتا ہوں
کئی بار وقت مجھے جدا کر دیتا ہے
وقت مجھے الگ کر دیتا ہے میرے مقام سے
اور میرا مقام مجھے الگ کر دیتا ہے
میرے وقت سے

تمام پیغمبر میرا خاندان ہیں
اس کے باوجود جنت اپنی زمین سے دور ہے
اور میں اپنے الفاظ سے
اور سمندر اپنی سطح سے نیچے اتر رہا ہے
تا کہ میری ہڈیاں پانی پر درختوں کی طرح تیریں
تمام درخت میری غیر حاضری ہیں
اور میرے دروازے کا سایہ ایک چاند

میری ماں کہانی ہے اور یہ سمندر
یومِ حساب کے لیے ایک مسلسل پل

ابا میرے لیے کتنی بار مرنا ضروری ہوگا
اس دیومالائی عورت کے بستر پر
جسے میرے لیے منتخب کیا ہے چیونٹیوں نے ؟

تو کیا بادلوں میں جلے گی ایک آگ؟
کتنی بار مروں گا میں؟
پودینے کے اس قدیم باغ میں

ہر بار تم شمال کی ہوا کو بلند
پودینے کی مہک کو ملفوف
اور لفظوں کو
فاختاؤں کی طرح بکھیر دیتے ہو

یہ میری غیر حاضری ہے،
ایک آقا جو اپنے انگنت وارثوں کو
اپنے ضوابط بتاتا ہے
اور صدام کے لیے کسی معافی کی گنجائش نہیں
لیکن میرے لیے

یہ ہے میری غیر حاضری:
ایک آقا جو اپنے قوانین پڑھ رہا ہے
اور میرے تصورات کا مذاق اڑا رہا ہے
آئینے کے سامنے آئینے کا کیا کام؟

ہمارے درمیان مانوسیت کا ایک رشتہ ہے
لیکن تم تاریخ سے بلند نہیں ہو گے
نہ ہی سمندر کی رو کو الگ کرو گے
اور یہ سمندر،
کہیں چھوٹا ہے
اپنے دیومالائی تصور سے، تمھارے ہاتھوں سے
ایک بلوریں خاکنائے
اس کے انجام کی طرح ہیں اس کی شروعات
کوئی تک نہیں یہاں تمہاری بے معنی آمد کی
اس دیومالا کی طرح جو فوجوں کو اس لیے تباہ کرتی ہے
کہ اس سے ایک اور فوج برآمد ہو

خود اپنی کہانی لکھتے ہوئے
ایک پہاڑی پر
اپنے ہی نام کو گودتے ہوئے
ایک تیسرا آئے گا
ایک بے وفا بیوی کی کہانی کی یادداشتیں لکھنے کے لیے

اور ایک چوتھا آئے گا
ہمارے پرکھوں کے ناموں کو مٹانے کے لیے

ہر فوج کا ہوتا ہے ایک شاعر
اور ایک مؤرخ
ہر ایک کے پاس ہوتا ہے ایک وائلن
اور ایک رقاص
اوّل تا آخر دیوانہ، مایوس کن

میں چاہتا ہوں اپنی غیر حاضری
اور نبیوں کے گدھوں سے بھی زیادہ اس کی معصومیت
گدھے جو جنت لیے پھرتے ہیں
اور وادیوں کے سودے کرتے ہیں

اور سمندر، یہ سمندر جو میرے بازوؤں میں سمٹا ہے
میں اس کے پار چلوں گا
اس کے نمک کو اپنے ہاتھوں پر ملوں گا
سمندر پر کس نے قبضہ کیا:
قیصر، فرعون، سیزر، نیگس
اور دوسرے
کون کون اپنا نام لکھنے نہیں آیا
میرے ہاتھ سے، اس کے ٹکڑوں پر

اس لیے میں لکھتا ہوں
زمین میرا نام ہے
اور زمین ان خداؤں کا نام ہے
جو میرے ساتھ پتھر پر بیٹھنے کی جگہ بانٹتے ہیں
نہ تو میں گیا ہوں اور نہ ہی میں لوٹا ہوں
پھسلتے ہوئے اس وقت کے ساتھ
اور اپنی شکست کے باوجود،
میں، میں ہوں

دیکھا ہے میں نے ان دنوں کو آتے اور اپنے اولین درختوں پر جمع کرتے

میں نے اپنی ماں کی بہار دیکھی ہے
ابّا میں نے دیکھا ہے ان دو پرندوں کو
جو اس کی سُوئی کو سلام کر رہے تھے
ایک تو اس کی شال پر بیٹھنا چاہتا تھا
اور دوسرا میری بہن کی شال پر
اور میں نے دیکھیں دو تتلیاں جو ہمارے لیے آئی تھیں

اپنے نام کے لیے میں نے ایک جسم دیکھا ہے
میں وہ نر فاختہ ہوں جو اپنی مادہ فاختہ میں روتا ہے

میں نے اپنے گھر کو سبزے سے آراستہ ہوتے دیکھا ہے

میں نے دیکھے ہیں
داخلی اور خارجی دروازے
اور وہ دروازے جو داخلی بھی تھے اور خارجی بھی

کیا نوح اپنے مقام تک پہنچنے کے لیے
اِس مقام سے گذرے تھے
کیا انھوں نے اسی دنیا کے بارے میں کہا تھا:
'اس کے دو مختلف دروازے ہیں'
لیکن گھوڑے میرے ساتھ اُڑ رہے ہیں
اور میرے ساتھ بلند سے بلند تر ہو رہے ہیں
اور میں اس لہر کی طرح
گذرتا ہوں جو وادیوں کا صفایا کر دیتی ہے
ابا! اپنی شکست کے باوجود، میں، میں ہوں
میں نے اپنے دنوں کو اپنے روبرو دیکھا ہے
میں نے دیکھا ہے،
اپنی دستاویزات میں ایک چاند
کھجور کے درختوں کی اُس اور سے جھانکتا
اور میں نے دیکھی ہے ایک پاتال،
میں نے دیکھی ہے، جنگ کے بعد ایک اور جنگ
مٹتے ہوئے قبائل،
اور وہ قبیلہ جس نے ہلاکو سے کہا:

ہم تمھارے ہیں
لیکن میں کہتا ہوں
ہم تمھارے نہیں ہیں
میں ابنِ خلدون کو سلام کرتا ہوں

دھات سے بنائی گئی
اس ہوا میں کچل دیے جانے کے باوجود
میں، اپنا آپ ہوں
ایک نئی صلیبی جنگ کے ذریعے
مجھے خدائے مکافات کے سپرد کیا جا رہا ہے
اور امام کے نقاب کے پیچھے ہیں منگول
ایک نمکین عورت
میری ہڈیوں میں سرسراتی ہے ایک کہانی دیومالائی سی
میں ہوں اپنا آپ،
اگرچہ میرے والد صرف آپ ہو لیکن
میں صحرا میں کھجور کے اُن درختوں کے لیے
ایک مدت سے اجنبی ہوں
میں اس پُرہجوم اجتماع میں پیدا ہوا ہوں
اور میں ہوں خود اپنا آپ
سمندر مجھ پر کوئی دروازہ نہیں کھولتا
اور میں کہتا ہوں:
میری نظم ایک پتھر ہے

جو میرے باپ کی طرف اڑتی ہوئی جا رہی ہے
ابا کیا تمھیں پتا ہے،
مجھ پر کیا بیتی
سمندر نے مجھ پر کوئی دروازہ بند نہیں کیا
اپنے سامنے ایک نقرئی راستہ دیکھنے کے لیے
میں کسی آئینے کو نہیں توڑ سکتا

تمام پیغمبر میرے خاندان سے ہیں
لیکن جنت ابھی اپنی زمین سے اور میں
اپنے لفظوں سے دور ہوں

ابا میں یوسف ہوں

ابا میں یوسف ہوں
میرے بھائی مجھ سے محبت نہیں کرتے
نہ ہی وہ مجھے دیکھنا چاہتے ہیں اپنے درمیان
وہ مجھ پر حملے کرتے ہیں
وہ مجھے پتھر مارتے ہیں اور الفاظ
وہ چاہتے ہیں کہ میں مر جاؤں
تاکہ وہ میرے قصیدے پڑھ سکیں
وہ مجھے باہر چھوڑتے ہیں

وہ آپ کے گھر کا دروازہ بند کر لیتے ہیں
وہ مجھے کھیتوں سے بھی نکال دیتے ہیں
اور میرے انگوروں کے باغوں کو زہریلا کر دیتے ہیں
ابا! وہ میرے کھلونے بھی توڑ ڈالتے ہیں
جب آہستہ رو ہوا میرے بالوں سے کھیلتی ہے
تو انھیں حسد ہونے لگتا ہے
ان کا غیظ و غضب
میرے خلاف ہوتا ہے اور آپ کے خلاف بھی
ابا! کیا میں نے کبھی کچھ کیا ہے ان کے خلاف؟
تتلیاں میرے کاندھوں پر بیٹھتی ہیں
گندم کے خوشے میری طرف جھکے پڑتے ہیں
اور پرندے کھجوروں کے میرے درختوں میں آرام کرتے ہیں
ابا! اس میں میرا کیا قصور؟ تو پھر میں ہی کیوں؟
میرا نام یوسف آپ نے رکھا
اور انھوں نے مجھے کنویں میں دھکیلا
اور الزام لگا دیا بھیڑیے پر
بھیڑیا تو کہیں زیادہ رحم دل ہوتا ہے، میرے ان بھائیوں سے
ابا! کیا میں کسی کے خلاف کچھ کہتا ہوں اگر کہتا ہوں:
'میں گیارہ ستارے دیکھتا ہوں اور سورج اور چاند
اور میں دیکھتا ہوں کہ وہ میرے سامنے سجدہ ریز ہیں'

اس زمین پر

اس زمین پر ہمارے پاس وہ سب ہے جو زندگی کو جینے کے قابل بناتا ہے:
اپریل کی ہچکچاہٹ، صبح سویرے روٹی کی مہک
مردوں کے بارے میں ایک نسائی نقطۂ نظر،
ایسکلیس کی تصانیف، عشق کی شروعات، ایک پتھر پر گھاس،
ایک بانسری کی آواز پر ماؤں کی گزر بسر
اور حملہ آوروں کو یادداشتوں کا خوف

اس زمین پر ہمارے پاس وہ سب ہے جو زندگی کو جینے کے قابل بناتا ہے:
ستمبر کے آخری دن، ایک عورت جو اپنی ان خوبانیوں کو رکھتی ہے
جو پکیں گی چالیس کے بعد
جیل میں دھوپ کا وقت، مخلوقات کا عکاس ایک بادل
مسکراتے ہوئے موت کا سامنا کرنے والوں کے لیے لوگوں کی تالیاں،
گیتوں سے ایک جابر کا خوف

اس زمین پر ہمارے پاس وہ سب ہے جو زندگی کو جینے کے قابل بناتا ہے:
خاتونِ ارض، تمام ابتداؤں اور اختتاموں کی ماں،
اُسے فلسطین کہا جاتا تھا، بعد میں اس کا نام ہی پڑ گیا فلسطین
معزز خاتون، میں زندگی کا مستحق ہوں
کیوں کہ آپ ہو میری معزز خاتون

ہم ایک گھر کی طرف سفر کرتے ہیں

ہم ایک گھر کی طرف سفر کرتے ہیں جو ہمارے گوشت کا نہیں
اس کے شاہ بلوط ہماری ہڈیوں کے نہیں
پہاڑ کی حمد میں اس کے پتھر بکریوں جیسے نہیں
نہ ہی اس کی سیپیوں کی آنکھیں ہیں سوسنوں جیسی
ہم ایک گھر کی سمت سفر کرتے ہیں
جو ایک خاص سورج سے ہمارے سروں کا ہالہ نہیں بناتا
اساطیری عورتیں ہمارے لیے تالیاں بجاتی ہیں
ایک سمندر ہماری طرف، ایک سمندر ہمارے خلاف
جب پانی اور گندم نہ ہوں تو ہماری محبت کھاؤ اور ہمارے آنسو پیو...
شاعروں کے سوگ کی رسومات جاری ہیں
پتھر سے تراشے گئے مجسموں کی قطار ہے جو ہماری آوازوں کو اونچا کرے گی
اور ایک خاکداں ہماری روحوں سے دور رکھے گا وقت کی دھول
گلاب ہیں ہماری طرف اور ہمارے خلاف
تمہاری عظمت ہے تمہارے لیے اور ہماری ہے ہمارے لیے
اپنے گھر میں ہم دیکھتے ہیں صرف ان دیکھا:
ہماری شہید
ہماری عظمت ہے: ایک تخت
جسے سڑکوں سے شکستہ وہ پاؤں لے جا رہے ہیں

جو ہر گھر کی طرف جاتے ہیں ایک ہمارے گھر کے سوا

روح کو ضرور پہچاننا ہوگا خود کو ہر روح میں یا مرنا ہوگا یہیں

حراست کی کوٹھڑی کی دیواریں نہیں ہوتیں

ہمیشہ کی طرح

حراست کی کوٹھڑی نے مجھے بچالیا مرنے سے

دانش کے زنگ سے اور فرسودہ تصورات کے فریب سے

اپنے حراستی کمرے کی چھت میں دکھائی دیا مجھے اپنی آزادی کا چہرہ

نارنگیوں کا گنج

اُسی چھت پر میں نے دیکھے اُن کے نام

جو انھوں نے کھو دیے تھے جنگ کے میدان میں

اب میں اعتراف کرلوں گا

کتنا خوبصورت ہوتا ہے اعتراف

تو کیا تم خود کو اداس محسوس کرو گے اتوار کو

لیکن جاؤ اور قصبے والوں کو بتاؤ

اگلے سال کی ابتدا تک

ہم ملتوی کر رہے ہیں شادی کی دعوت

پرندے میری گرفت سے نکل جاتے ہیں

ستارے مجھ سے دور ہو جاتے ہیں

اور یاسمین بھی

گھٹ جاتی ہے رقص کرنے والوں کی تعداد

اور تمھاری آواز افسردہ ہو جاتی ہے قبل از وقت

لیکن حراست کی کوٹھڑی نے

ہمیشہ کی طرح

بچالیا مجھے مرنے سے

اپنے حراستی کمرے...کی چھت میں

دکھائی دیا مجھے اپنی آزادی کا چہرہ

اسی طرح تمتماتا دکھائی دیا دیوار پر تمھارا چہرہ...

رک گئی آخری ٹرین

آخری ٹرین پہنچ گئی آخری پلیٹ فارم پر

لیکن کوئی نہیں ہے وہاں گلابوں کو بچانے کے لیے

کوئی فاختہ نہیں ہے

لفظوں سے بنی عورت کے کاندھوں پر اترنے کے لیے

ختم ہو چکا وقت

غنائیہ نہیں رہا جھاگ سے بہتر

اتنا اعتماد مت کرو ہماری ٹرینوں پر، میری جان!

کسی کا انتظار مت کرو اس بھیڑ میں
رک چکی ہے آخری ٹرین آخری پلیٹ فارم پر
لیکن کوئی نہیں ہے جو نرگس کا عکس پھر سے ڈال سکے
رات کے آئینوں پر

کہاں لکھوں گا میں
اپنے جسم کے نئے جنم کی تازہ ترین تفصیل؟
یہ ہے اس کا اختتام جسے ہونا ہی تھا ختم
لیکن وہ ہے کہاں جو ختم ہوا ہے؟
کہاں آزاد کروں گا میں خود کو
اس وطن سے جو میرے ہی جسم میں ہے
میری جان! اتنا اعتماد مت کرو ہماری ٹرینوں پر
اُڑ چکی آخری فاختہ
آ چکی آخری پلیٹ فارم پر آخری ٹرین
اور کوئی نہیں ہے وہاں

سمندر سے اونچی ڈھلانوں پر

وہ سوئے سمندر سے اونچی ڈھلان پر
سرو اور صنوبروں سے بھی اونچی ڈھلان پر وہ سوئے
آہنی آسمان نے ان کی یادوں کو مٹا دیا

اور فاختائیں کہیں دور پرواز کر گئیں
ان کے ادھڑے ہوئے جسموں کے مشرق کو
ان کی اٹھی ہوئی انگلی کی سمت
کیا وہ پانی میں چاند پر
اپنے ناموں کی غلسی پھینکنے کے حق دار نہیں تھے
کیا وہ تاریکی کو کاٹنے کے لیے
گڑھوں میں ترش نارنگیوں کے درخت بونے کے حق دار نہیں تھے
ایک ڈھلان پر جہاں لفظ پتھر بن گئے
وہ سوتے رہے خلا کی حدود سے باہر
وہ اس پتھر پر سوئے جسے قفس کی ہڈیوں سے گودا گیا تھا
ہمارے دل کسی بھی وقت ان کی ضیافت کا جشن منا سکتے ہیں
ہمارے دل فاختاؤں کی واپسی کے لیے چُرا سکتے ہیں کوئی بھی جگہ
تاکہ زمین کی بنیاد رکھی جا سکے
زمین کے اختتام پر مجھ میں سونے والے عزیزو،
تم پر خدا کی رحمت ہو! رحمت

وہ اپنے قاتل سے بغل گیر ہوا

وہ اپنے قاتل کو گلے لگاتا ہے
کہ شاید وہ اس کا دل جیت لے
کیا تمھیں غصہ آئے گا اگر میں بچ گیا؟

بھائی... میرے بھائی! کیا کروں میں
کہ تم مجھے برباد کرنے میں کامیاب ہو سکو؟
سر پر منڈلا رہے ہیں دو پرندے
تم گولی اوپر کی طرف نہیں چلاتے؟
کیا کہتے ہو؟
تم اکتا گئے میرے گلے ملنے سے اور میری بُو سے
کیا تمھیں اکتاہٹ نہیں ہوتی میرے وسوسوں اور خوف سے؟
دریا کے کنارے جو دشمن اپنی مشین گن سے معانقے کو زد پر لیتا ہے
مار دو گولی اُس دشمن کو
اِسی طرح ہم بچیں گے دشمن کی گولیوں
اور گناہ میں گرتے چلے جانے سے
کیا کہتے ہو تم؟
تم مجھے قتل کرو گے، تاکہ دشمن گھر جائے، ہمارے گھر
اور ایک بار پھر دھنس جائے جنگل کے قانون میں
کیا کرو گے تم میری ماں کی کافی
اپنی ماں کی کافی؟
کیا جرم کیا ہے میں نے کہ تمھیں ایسا بنا دیا
کہ تم مجھے برباد کر دو؟
میں کبھی ترک نہیں کروں گا تم سے گلے ملنا
کبھی نہیں نکلنے دوں گا تمھیں اپنی باہوں سے

میں باتیں بہت کرتا ہوں

بہت باتیں کرتا ہوں میں
عورتوں اور درختوں کے درمیان معمولی سے فرق پر
زمین کے لبھاؤ پر، اس ملک کے بارے میں
جس کے پاسپورٹ کی مہر تک نہیں
کہتا ہوں: یہ تو ٹھیک ہے معزز خواتین وحضرات
کہ انسان کی زمین ہے سارے انسانوں کے لیے
اگر ایسا ہی ہے جیسا کہ آپ کہتے ہیں
تو پھر کہاں ہے
میری چھوٹی سی جھوپڑی اور خود میں؟
کانفرنس کے شرکا مسلسل تین منٹ تک تالیاں بجا کر مجھے داد دیتے ہیں
آزادی اور اعتراف کے تین منٹ
واپسی کے لیے ہمارے حق کو تسلیم کرتی ہے کانفرنس
پتھر سے تراشے گئے خواب میں تمام چوزوں اور گھوڑوں کی طرح
ایک ایک کر کے، میں ان سب سے ہاتھ ملاتا ہوں
میں ان کے سامنے جھکتا ہوں

میں اپنا سفر جاری رکھتا ہوں
ملک تا ملک جاتا ہوں
باتیں کرتا ہوں، سراب اور بارش کے فرق کے بارے میں بتاتا ہوں

اور پوچھتا جاتا ہوں:

معزز خواتین و حضرات!

یہ تو طے ہے

کہ ساری انسانی زمین ہے

سارے انسانوں کے لیے؟

عاشق من فلسطین

تمھاری آنکھیں میرے دل میں ایک کانٹا ہیں

وہ مجھے اذیت دیتا ہے

اور میں اُسے محبت کرتا رہتا ہوں

اُسے ہواؤں سے بچاتا ہوں

جوں جوں رات نکلتی اور درد کم ہوتا ہے میں اُسے کچوکوں پر اکساتا ہوں

اس کا زخم لالٹین کو اور روشن کر دیتا ہے

اس کا کل میرے آج کو

میری روح سے بھی زیادہ قیمتی بنا دیتا ہے

اور میں پل میں بھول جاتا ہوں جب آنکھیں آنکھوں سے ملیں

اور یہ بھی کہ دروازے کے پیچھے

ہم دو

ایک بھی ہوئے

تمھاری گفتگو ایک گیت تھی

اور میں اُسے گانے کی کوشش کر رہا تھا

لیکن افسوس موسمِ بہار پر مصیبت آ پڑی

تمھاری گفتگو میرے گھر سے ابابیلوں کی طرح اُڑ گئی

ہمارے گھر کا دروازہ نقل مکانی کر گیا

اور خریفی قدمچے نے نقل مکانی کی تمھارے بعد

جہاں اس کا دل چاہا

ہمارے آئینے کرچیاں ہو گئے

اداسی دو چند ہو گئی

اور جب ہم نے تمھاری آواز کے ٹکڑے جمع کیے

تو ہم کچھ بھی جمع نہیں کر سکے وطن کے مرثیے کے سوا

ہم مل کر اسے گٹار کے سینے میں اُگائیں گے

اور اپنے المیے کی چھت پر اسے بجائیں گے

زخم زخم چاند کے لیے

لہولہان چٹانوں کے لیے

لیکن میں بھول گیا

میں بھول گیا نامعلوم آواز

تمھاری رخصت یا اپنی خاموشی

جس نے گٹار کی تاروں کو زنگ آلود کر دیا

کل میں نے تمھیں بندرگاہ پر دیکھا

بے سروسامان اور اکیلا

میں یتیموں کی طرح تمھاری طرف بھاگا
تاکہ پوچھوں: کیا کہتی ہے پُرکھوں کی دانش
کیوں کھینچ کر ڈالا جاتا ہے سرسبز باغوں کو جیلوں میں
کیوں دھکیلا جاتا ہے انھیں جلاوطنی کی طرف
اور کیوں پہنچا دیا جاتا ہے بندرگاہوں پر
پھر بھی وہ کیسے رہتے ہیں ہمیشہ سرسبز
سفر کے باوجود
نمک کی بُو اور شدید خواہش کے باوجود
میں نے اپنے روزنامچے میں لکھا:
مجھے محبت ہے نارنگیوں کے درخت سے
میں نفرت کرتا ہوں بندرگاہ سے
اور اپنے روزنامچے میں
میں نے اضافہ کیا:
میں کھڑا ہوں بندرگاہ پر
دنیا ہے سرما کی لگاتار بارش
اور ہمارا حصہ ہیں نارنگیوں کے چھلکے
اور ہمارے پیچھے ہے صحرا

میں نے تمھیں خاردار پہاڑوں پر دیکھا
بھیڑوں کے بغیر ایک چرواہا
تعاقب کرنے والوں سے بھاگتا

میں نے تمھیں کھنڈروں میں دیکھا
تم میرا باغ تھے اور میں ایک اجنبی
جو اپنے ہی دل پر دستک دے رہا تھا

اے میرے دل
تیرے دروازے، کھڑکیاں
سلاخیں اور پتھر سب لرزنے لگے ہیں

میں نے تجھے
گندم اور پانی کے خالی برتنوں میں دیکھا
میں نے تجھے نائٹ کلب میں ایک خادمہ دیکھا
میں تجھے آنسوؤں اور زخموں سے روشن دیکھا
تم ہو میرے سینے میں دوسرا پھیپھڑا
تم ہو میرے ہونٹوں پر آواز
تم ہو پانی
تم ہو آگ

میں نے تمھیں غار کے دہانے میں دیکھا
کپڑوں کی رسی پر اپنے یتیموں کے
چیتھڑے لٹکاتے، میں نے تمھیں دیکھا
گلیوں میں آگ سینکتے اور ویرانوں میں
سورج کے خون میں، میں نے تمھیں دیکھا

یتیمی اور محرومی کے گیتوں میں

میں تمھیں سمندر کے تمام نمک اور آوازوں میں دیکھا

تم خوبصورت تھیں زمین کی طرح

بچوں کی طرح

عرب یاسمین کی طرح .

اور میں قسم سے کہتا ہوں:

میں پلکوں سے تمھارے لیے رومال بُنوں گا

اور تمھاری آنکھوں کے لیے اس پر شاعری سے

ایک ایسے نام کی کڑھائی کروں گا

جس کی آبیاری ایک دل سے کی گئی ہو

غنایت میں تحلیل ہوتی

بیلوں کے کنج پر اپنی ڈوریوں کو پھیلاتی

میں شہیدوں اور بوسوں سے بھی زیادہ قیمتی ایک جملہ کاڑھوں گا

'یہ فلسطینی تھی، ہے اور رہے گی'

میں نے دروازے اور کھڑکیاں طوفانی رات پر وا کیے

اور اپنی راتوں میں منجمد ہوتے ایک چاند کو دیکھا

اور اپنی رات سے کہا: پلٹ جاؤ واپس

رات اور دیوار کے پیچھے، کیوں کہ

یہ لفظوں اور روشنی سے میری ملاقات کا وقت ہے

اور تم ہو میرا کنوارا باغ

تب تک جب تک ہمارے گیت

وہ تلوار ہیں جسے ہم نے بے نیام رکھا ہے

تم گندم سی وفادار ہو

تب تک جب تک ہمارے گیت

اس زمین کو زرخیز کریں، جب جب ہم انھیں بوئیں

اور تم ہو حافظے میں محفوظ کھجور کے درخت جیسی

طوفان اور کلہاڑے کے لیے ناقابلِ شکست

تمھاری داڑھیاں نہیں جھڑیں

میدانوں اور جنگلوں میں مسافتوں کے باوجود

اور میں ہوں جسے دیواروں سے جلاوطن کیا گیا اور دروازوں سے

لوٹ آؤ، مجھے اپنی آنکھوں میں محفوظ کر لو

لوٹ آؤ تم جہاں بھی ہو

جیسی بھی ہو لوٹ آؤ

میرے چہرے اور جسم کے رنگ

دل اور آنکھوں کی روشنی

روٹی کا نمک اور غنایت

زمین اور گھر کا ذائقہ

لوٹ آؤ، مجھے اپنی آنکھوں میں محفوظ کر لو

لوٹ آؤ اور مجھے ایک آئل پینٹنگ کی طرح محفوظ کر لو

جو دکھوں کی کوٹھڑی میں بھی

بادام کے شگوفوں کی طرح سفید ہوتی ہے

جمع کر لو مجھے اپنے لیے شاعری کی طرح

میرے المیے کی کتاب سے جمع کر لو مجھے کھلونے کی طرح

گھر کے ایک پتھر کی طرح شاید ہماری آئندہ نسلیں

گھر کے لیے پانی کا راستا پا سکیں

فلسطینی آنکھ اور ٹیٹو

فلسطینی نام

فلسطینی خواب اور خیال

فلسطینی رومال اور جسم

فلسطینی لفظ اور خموشی

فلسطینی آواز

فلسطینی پیدائش اور موت

میں تمھیں تمام کا تمام اپنی نوٹ بک میں لے کر پھرا ہوں

اپنی نظموں کی آگ کی طرح

میں تمھیں اپنی مسافتوں کی مہم جوئیوں کی طرح لیے پھرا ہوں

اور تمھارا نام لے کر چلاتا رہا ہوں صحراؤں اور وادیوں میں

میں واقف ہوں بازنطینی گھوڑوں سے

اگرچہ ان کے راستے تبدیل کر دیے گئے ہیں

اس بجلی سے بچو

جو میرے گیتوں کے سُموں اور چقماق کی رگڑ سے پیدا ہوتی ہے

میں ہوں آدمیوں میں سب سے بہتر

گھڑسواروں کا سردار

میں ہوں بتوں کو توڑنے والا

میں متعین کروں گا شام کی سرحدیں نظموں سے

جو کوؤں کے انڈے سیتی ہیں

تمھارا نام لے کر میں نے دشمنوں کو للکارا:

او کیڑو! کھاؤ میرا گوشت جب تک میں سو رہا ہوں

کہیں چیونٹیوں کے انڈوں سے بھی عقاب پیدا ہوئے ہیں

سانپوں کے انڈوں سے سانپ ہی نکلیں گے

جانتا ہوں میں بازنطینی گھوڑوں کو

اور اس سے بھی پہلے میں یہ جانتا تھا

میں ہی ہوں آدمیوں میں سب سے اچھا

اور گھڑسواروں کا سردار

کیا ہوں میں جلاوطنی کے بغیر

دریا کنارے ایک اجنبی

دریا... پانی جیسا

مجھے تمھارے نام سے جوڑتا ہے

اتنی دوری سے کچھ نہیں لاتا مجھے واپس

کھجوروں کے میرے درختوں کو

نہ تو جنگ نہ ہی امن، کچھ بھی

مجھے انجیل سے نہیں جوڑتا

کوئی ایک چمکتی چیز... نہ تو جوار بھاٹے کے ساحلوں پر

نہ ہی بہتی ہے فرات اور نیل کے بہاؤ میں

کچھ بھی مجھے فرعونوں کی کشتیوں سے اترنے پر نہیں اکساتا
نہ تو کوئی لے کر جاتا ہے مجھے
اور نہ ہی مجھے بناتا ہے کچھ ایسا
کہ لے کر چلوں کوئی خیال

نہ تو ہے کوئی خواہش، نہ ہی ہے کوئی وعدہ
کیا کروں گا میں
کیا کروں گا میں جلا وطنی کے بغیر
اور ایک طویل رات
جو پانی پر ٹکٹکی باندھے رہتی ہے؟

پانی مجھے جوڑتا ہے
تمھارے نام سے...
کچھ نہیں لے جاتا مجھے
میرے خوابوں کی تتلیوں سے دور
میری حقیقت میں
نہ تو خاک اور نہ آگ

کیا کروں گا میں
سمرقند کے گلابوں کے بغیر
کیا کروں گا میں
اُس تھیٹر میں

جو گلوکاروں کو قمری پتھروں سے چمکاتا ہے؟
دور دراز ہواؤں میں
اپنے گھروں کی طرح
ہم بھی ہو گئے ہیں کم وزن

ہم دو دوست بن گئے ہیں
بادلوں میں عجیب مخلوق کے... اور
آزاد ہو گئے ہیں
شناختوں کی زمین کی کشش ثقل سے
کیا کریں گے ہم...
کیا کریں گے ہم جلاوطنی اور اِس طویل رات کے بغیر
جو پانی پر نظریں جمائے رہتی ہے؟

پانی مجھے جوڑتا ہے
تمھارے نام سے...
کچھ نہیں بچا میرا بس تم ہو
اور کچھ نہیں بچا تمھارا بس میں ہوں

اجنبی سہلا رہا ہے اس کی اجنبی رانیں
اے اجنبی! کیا کریں گے ہم
اس کا جو چھوڑ دیا گیا ہے
خاموشی کا

اور دو اساطیر کے درمیان ایک ہلکی سی نیند کا؟
اور کچھ نہیں لے کر چلنا ہمیں ساتھ
نہ تو سڑک اور نہ گھر

کیا یہ سڑک ہمیشہ سے ایسی ہی تھی، ابتدا سے
یا ہمارے خوابوں نے ڈھونڈ لی ہے پہاڑ پر
منگول گھوڑوں کے درمیان ایک گھوڑی
اور لے لیا ہمیں اُس کے بدلے میں؟

اور ہم کیا کریں گے؟
کیا
کریں گے ہم
جلاوطنی کے بغیر؟

کاماسُترا سے سبق

اُس کا انتظار کرو ایک نیلگوں پیالا تھامے
اُس کا انتظار کرو بہار کی شاموں میں، مہکتے گلابوں کے درمیان
اُس کا انتظار کرو اس گھوڑے جیسے تحمل کے ساتھ
جسے پہاڑوں پر چڑھنے کی تربیت دی گئی ہو
اُس کا انتظار کرو

کسی شہزادے کے سے منفرد جمالیاتی ذوق کے ساتھ
اُس کا انتظار کرو بادلوں سے بنائے گئے سات تکیوں کے ساتھ
اُس کا انتظار کرو
عورت کے شایانِ شان لوبان کی چاروں اور پھیلتی مہک کے درمیان
اُس کا انتظار کرو گھوڑے کی پیٹھ پر
صندل کی مردانہ مہک کے ساتھ
اُس کا انتظار کرو اور اس کے انتظار میں عجلت مت کرو
اگر وہ آنے میں تاخیر کرے تو بھی اس کا انتظار کرو
انتظار کرو اگر وہ آجائے وقت سے پہلے تو بھی
اس کی چوٹیوں میں بیٹھے پرندوں کو خوفزدہ مت کرو
انتظار کرو
وہ کب بہار کی بلندیوں پر آئے باغ میں بیٹھتی ہے
انتظار کرو کہ وہ باغ کی اُس ہوا میں سانس لے
جو اُس کے دل تک کبھی نہ پہنچی ہو اس سے پہلے
انتظار کرو کہ وہ کب اپنی ٹانگوں کو نقاب سے آزاد کرتی ہے
بادل بہ بادل
انتظار کرو، اس کا انتظار کرو
اسے بالکنی میں لے جاؤ تا کہ وہ چاند کو دودھ میں ڈوبتا دیکھے
اس کا انتظار کرو اور شراب سے پہلے اُسے پانی پیش کرو
انتظار کرو اور اپنی آنکھوں کو
اس کے سینے پر خوابیدہ جڑواں چکوروں کی طرف مت جانے دو
جب وہ اپنے پیالے کو میز پر رکھے

تو... تو اس کے ہاتھ کو ایسی نرمی چھوؤ
جیسے تم اُس کے لیے اوس کے قطرے لے کر جا رہے ہو
انتظار کرو اور اُس سے ایسے بات کرو جیسے بانسری
وائلن کے خوفزدہ تاروں سے کلام کرتی ہے
انتظار کرو جیسے تم جانتے ہو کہ کل تمھارے لیے کیا لانے والی ہے
انتظار کرو اور اُس کے لیے رات کو دائرہ در دائرہ چمکاؤ
انتظار کرو یہاں تک کہ رات بھی تم سے کہنے لگے:
دنیا میں کوئی بھی زندہ نہیں تم دونوں کے سوا
آ گیا ہے وقت،
اب لے جاؤ اُسے بڑی نرمی سے اُس موت کی طرف
جس کا تم نے انتظار کیا ہے
اور انتظار کرو

وہاں کی رات

تاریک ترین ہے وہاں کی رات... اور گلاب ہیں بہت کم
کہیں زیادہ سمتوں میں بٹ جائے گی سڑک
پھٹ کر اور کھل جائے گی وادی
اور ڈھلوان ڈھے کر آن گرے گی ہم پر
کھل جائیں گے زخم اور چھوڑ جائیں گے رشتے دار
معتوبوں کے دل ایک دوسرے کو قتل کرنے میں آرام پائیں گے
اس سے کہیں زیادہ آئے گا ہمارے سامنے جتنا ہم جانتے ہیں

ایک پاتال پر کھلے گی ایک اور پاتال
جب ہم ایک ایسے تصور کو گلے لگائیں گے
جس کی پرستش پہلے ہی تمام قبائل کر رہے ہوں گے
اور جس سے دانا جا رہا ہوگا ان کے معدوم ہوتے جسموں کو
ہم دیکھیں گے
ہم دیکھیں گے کہ شہنشاہ اپنی طاقت کا مظاہرہ کرنے کے لیے
گندم کے دانوں پر اپنے نام کندہ کروا رہے ہیں

کیا ہم بدل نہیں گئے؟
مرد تلواروں کے پیروکار ہو گئے ہیں اور خون بہانے لگے ہیں
لگنے دو ریت کے انبار
عورتیں صرف اپنی رانوں کے وسط پر ایمان رکھتی ہیں
اور شہوت کی پیروی کرتی ہیں
اور سمت جانے دو سایوں کو
اس کے باوجود میں گیت کے راستے پر چلوں گا
اگرچہ بہت ہی کم رہ گئے ہیں میرے پاس گلاب

ایک فلسطینی زخم کی ڈائری

(۱)

ہم اُسے یاد رکھنے سے آزاد ہیں کیوں کہ کرمل ہمارے اندر ہے
اور گلیلی کی گھاس تو ہماری پلکوں پر اگتی ہے

مت کہو: میں چاہتا ہوں کہ کاش ہم دریا ہوتے
اور اس کی طرف بہہ رہے ہوتے
مت کہو کہ ہم اپنے ملک کا گوشت ہیں اور وہ ہے ہم

(٢)

جون سے پہلے ہم ان چھوٹی چھوٹی فاختاؤں کی طرح نہیں تھے
یہی وجہ کہ ہماری محبت کے لیے زنجیریں ایجاد نہیں ہوئی تھیں
میری بہن! ان بیس برسوں کے دوران ہم موجود تھے
بس شاعری نہیں جدوجہد کر رہے تھے

(٣)

تمھاری آنکھوں پر جو سایا پڑ رہا ہے
شیطان ہے یا خدا:
جو جون کے مہینے کے ساتھ
ماتھوں پر سورج کی پٹیاں باندھنے آتا ہے
یہ کسی شہید کا رنگ ہے
یا کسی دعا کا ذائقہ
یہ قتل کر سکتا یا پیدا کر سکتا ہے ایک بار پھر

(٤)

تمھاری آنکھوں میں گرتی رات
اُس طویل رات کا ایک قطرہ ہے
جو میرے دل پر ختم ہوتی ہے
اور پژمردگی کے اس عہد سے بہت پہلے

ہمیں اس وقت اور جگہ پر جمع کرتی ہے

(٥)

آج رات تمھاری آواز ایک خنجر، ایک زخم اور ایک پٹی ہے
اور کاہلی جو معتوب کی خاموشی سے رِستی ہے
کہاں ہیں میرے لوگ؟
کیا وہ جلاوطنی کا خیمہ چھوڑ کر لوٹ گئے
تاکہ ایک بار پھر قیدی بنیں

(٦)

محبت کے الفاظ کو زنگ نہیں لگتا
لیکن محکومی میں محبوب ہمت ہار جاتے ہیں
میرے محبوب تو نے مجھے ہواؤں سے شکستہ بالکنیوں
گھروں کی ڈیوڑھیوں اور گناہ کے احساس سے لا دیا ہے
ایک وقت تھا کہ میرے دل میں تیری آنکھوں کے سوا کوئی جگہ نہیں تھی
اور اب اسے بھر دیا ہے وطن نے

(٧)

ہم جانتے ہیں کیا چیز حملہ آوروں کے چہروں میں
چنڈول کی آواز کو چمکتا خنجر بنا دیتی ہے
اور کیا چیز قبرستان کی خاموشی کو ایک جشن
زندگی کے باغات، ہم جانتے ہیں

(۸)

جب تم گا رہے تھے تو میں نے دیکھا

دیواروں سے ہجرت کر رہی ہیں بالکنیاں

اور چوک پہاڑوں کی کمر پر گر رہا ہے

ہم نہ تو موسیقی کو سُن رہے تھے

نہ ہی لفظوں کے رنگوں کو دیکھ رہے تھے

اور کمرے میں تھے لاکھوں سورما

(۹)

اس کے چہرے کی وجہ سے

میرے خون میں گرمیوں کا ایک موسم اور ایک غیر فطری نبض ٹوٹے

میں گھبرایا ہوا گھر لوٹا

گھر ایک شہید کے گھر پر ڈھیر ہو چکا تھا

وہ کرمس کی کھڑکی تھا اور امید تھا

اور اُس کی یادداشت سے ایک تہوار سمٹ رہا تھا

(۱۰)

اُس کی آنکھیں اوس اور آگ تھیں

اگر میں اُس کے چہرے کے قریب جاتا تو وہ گاتا

اور میں اُس کے بازو پر بخارات بن کر اڑ جاتا

خاموشی کے ایک لمحے اور دعا کی طرح

شہید کہتے ہیں: تم اُسے شہید کہنا چاہو تو کہہ لو

وہ ہم سے کہیں خوبصورت ہے

اُس نے اپنی جھونپڑی کو نوجوانی میں چھوڑا

اور پھر اپنے وقت پر لوٹا جو تھا ایک معبود کی شکل

(۱۱)

شہدا کی جلد کو چومنے والی زمین

موسمِ گرما سے گندم اور ستاروں کا وعدہ کرتی ہے

تو اس کی عبادت کرو: ہم ہیں اس کی آنتیں، نمک اور پانی

اور اس کے بازوؤں میں ایک زخم جو لڑ رہا ہے

(۱۲)

اے بہن، مجھے آنسوؤں بھرا تخلیق کیا گیا

اور اب ہے میری آنکھوں میں آگ

خلیفہ کے دروازے پر میں خود کو شکایتوں میں آزاد کر دیتا ہوں

وہ سب جو مر چکے اور وہ جو مریں گے

دن کے دروازے پر مجھ سے گلے ملتے ہیں... میرا ایک بم بناتے ہیں

(۱۳)

پیاروں کے گھر ویران ہیں، یافا کو بدل دیا گیا ہے گودے میں

جو بھی مجھے تلاش کر رہا ہے کچھ نہیں ملے گا اُسے اُس کی پیشانی کے سوا

اے بہن! میرے لیے چھوڑ دو اس تمام موت کو

اس خانہ بدوشی کو،

دیکھو میں اسے اُس ستارے کی جھالروں میں ٹانک رہاں ہوں

جو ہے اس کی تباہی کے عین اوپر

(۱۴)

او بہادر چہرہ زخم!
میرا وطن کوئی سوٹ کیس نہیں ہے
اور نہ ہی میں کوئی مسافر ہوں
میں ہوں ایک عاشق اور زمین ہے محبوبہ

(۱۵)

اگر میں نے یادوں میں زیادہ تاخیر کی
تو میری پیشانی پر نکل آئے گی پشیمانی کی گھاس
اگر میں خواہش کے سامنے سرنگوں ہوا تو مجھے قبول کرنے ہوں گے
غلاموں کے اساطیری سورما لیکن میں
اپنی آواز کو ایک سیپی اور چٹان سے ایک نغمہ بنانے کو ترجیح دوں گا

(۱۶)

میری پیشانی سائے نہیں لے جاتی
اور میں نہیں دیکھ سکتا خود اپنی پیشانی
میں تھوکتا ہوں اُس زخم پر
جو پیشانی سے رات کو آگ دکھانے میں ناکام رہتا ہے
اپنے آنسو تہوار کے لیے بچا رکھو:
ہم عدم سے چیخیں گے لیکن خوشی میں
آؤ، اس اچانک موت کو
چوک میں شادی قرار دیں اور ایک زندگی

(۱۷)

مجھے زخم پر اُکسایا گیا اور کبھی نہیں بتایا گیا میری ماں کو
کیا چیز ہے جو اُسے رات میں ایک خیمہ بنا دیتی ہے
میں نے اپنے چشمے کا سوتا، اپنے پتے اور اپنے نام محفوظ رکھے
اور اس طرح مشاہدہ کیا دس لاکھ ستاروں کا

(۱۸)

میرا بینر سیاہ ہے اور بندرگاہ ایک تابوت اور میری پیٹھ ایک ٹل
اور ہمارے اندر ہے ریزہ ریزہ ہوتی عصر کی خزاں
او ہمارے اندر ہے ایک اور جنم لیتی بہار
میرا گلاب سرخ ہے، اور بندگاہ کھلی ہے اور میرا دل ہے ایک درخت

(۱۹)

میری زبان طوفانی دریا کے بھنوروں سے پیدا ہونے والی آواز ہے
سورج اور اناج کے عکس جنگ کے ایک میدان میں ہیں
بلاشبہ بعض اوقات میری نظم ہوتی ہے آڑی ترچھی
(اس سے انکار کیوں؟)
لیکن جب میں نے اپنے دل کی لغت کھولی تو میں لاجواب تھا

(۲۰)

کوئی دشمن تو ہونا ہی چاہیے تھا ہمارا جو سراغ لگاتا کہ ہم جڑواں تھے
کوئی ہوا تو ہونی ہی چاہیے تھی ہمارے لیے جو بلوط کے تنوں میں رہتی
اور اگر صلیب کے تخت سے اس عہد کا مصلوب خدا نیچے نہ آتا

توکون ایک بچے کو یاد دلاتا کہ ضبط کیا جا چکا ہے اُس کا زخم: ایک بزدل

(۲۱)

میرے پاس تمھارے لیے ایک لفظ ہے جسے میں نے اب تک نہیں کہا
کیوں کہ بالکنی میں سائے نے چاند پر قبضہ کر رکھا ہے
میرا ملک ایک رزمیہ تھا اور میں اُس میں ایک موسیقار
اور اب میں بن چکا ہوں ایک دھن

(۲۲)

آثار قدیمہ کا ماہر پتھروں کے تجزیے میں مصروف ہے
وہ اساطیر کے ملبے میں آنکھیں تلاش کر رہا ہے
تاکہ تہذیب کی کتاب میں ثابت کر سکے
کہ میں اس راستے میں عارضی ہوں
جس کے پاس نہ تو ہیں آنکھیں اور نہ ہی زبان
اور میں... آہستہ آہستہ بوتا جا رہا ہوں اپنے درخت
اور گاتا جا رہا ہوں اپنی محبت کے بارے میں

(۲۳)

آ گیا ہے وقت کہ عمل سے لفظ کا سودا کرلوں
بہت مناسب وقت ہے کہ اپنی محبت ثابت کروں زمین سے
آ گیا ہے وقت کہ زمین اور چنڈال پر اپنی محبت ثابت کروں
کیوں کہ اس عہد میں ڈنڈے نگلتے جا رہے ہیں گٹار
اور آئینے دکھاتے ہیں مجھے انتہائی معمولی
خاص طور پر جب سے اُگ آیا ہے میری آنکھوں میں یہ درخت

(۲۴)

گرمیوں کے بادل جنھیں اُس شکست کی پیٹھ پر لے جایا جا رہا ہے
جس نے سلطان کی اولادوں کو سرابوں کی قطاروں کے سامنے لا کھڑا کیا
جرم کی رات میں، میں ہوں مردہ اور میں ہی ہوں نوزائیدہ
دیکھو! دیکھو میں نے کیسے پھاڑ ڈالا ہے زمین کو

OO

محاصرے کے دوران

محاصرے کے دوران

پہاڑی ڈھلانوں پر، ڈوبتے سورج کے سامنے
اور وقت کی زد پر
ان باغوں کے قریب جن کے سائے چھین لیے گئے
ہم وہی کرتے ہیں
جو قیدی کرتے ہیں
ہم وہی کرتے ہیں جو بے روزگار کرتے ہیں
ہم... ہم امیدوں کی پرورش کرتے ہیں

صبح کی تیاری کرتے ملک میں
ہم کند ذہن ہوتے جا رہے ہیں
ہم فتح کی گھڑی پر نظریں جمائے رہتے ہیں
راتوں سے خالی ہیں دھماکوں سے بھری ہماری راتیں
بے خوابی کے شکار ہیں ہمارے دشمن
وہ اپنی روشنیاں جلائے رکھتے ہیں
اور ہماری پناہ گاہوں کی گہری تاریکی کو
تیز روشنی سے بھر دیتے ہیں

کوئی نہیں یہاں اشعارِ ایوب کے بعد
ہم نے کسی کا انتظار نہیں کیا...

یہ محاصرہ تو تب تک جاری رہے گا جب تک
ہم اپنے دشمنوں کو
اپنے اجداد کے سے قصائد لکھنا نہیں سکھا دیتے

دن کے دوران آسمان رہتا ہے سیسے کا
اور رات میں ہو جاتا ہے شعلوں سا نارنجی
لیکن ہمارے دل
رہتے ہیں لفظ فصیل جیسے غیر جانبدار

یہاں 'میں' میں 'میں' نہیں
یہاں آدم اُس مٹی کو یاد کرتا ہے
جس سے اُسے پیدا کیا گیا

محاصرے کے دوران زندگی بن جاتی ہے وہ وقت
جو پہلے لمحے کی یادداشت
اور آخری لمحے کی فراموشی کی یاد کے درمیان آتا ہے

زندگی

تمام زندگی
تمام غفلتوں اور کوتاہیوں کے ساتھ
ہمسایا ستاروں کی میزبانی کرتی
جو ہیں لازماں...
اور تارکِ وطن ہیں بادل
بے ٹھکانہ
اور زندگی ہے یہاں
حیرانی:
کیسے واپس لائیں گے، زندگی

موت کے دہانے پر وہ کہتا ہے:
میرے پاس تو کھونے کے لیے قدموں کے نشان تک نہیں
میں آزاد ہوں اپنی آزادی کے قریب
میرے ہاتھ میں ہے میرا فردا
کچھ ہی دیر میں، میں اپنی زندگی میں داخل ہوں گا
اور بن جاؤں گا پیدائشی آزاد، بن ماں باپ کا
اور اپنے نام کے لیے چنوں گا نیلے تھوتھے جیسے آسمانی رنگ کے حرف...

یہاں دھوئیں کی چڑھائیوں تلے
ہمارے گھروں کی سیڑھیوں پر
وقت کے پاس وقت کے لیے وقت نہیں
ہم وہ کریں گے جو یہاں سے جانے والے کرتے ہیں

ہم اذیت کو بھلا دیں گے

اذیت ہوتی ہے
جب خاتونِ خانہ سوکھنے کے لیے
کپڑے پھیلانا چاہتی ہو اور پھیلا نہ سکے
اور مطمئن ہو کہ فلسطین کے لیے اُس کے پرچم پر کوئی داغ نہیں

یہاں کسی چیز میں ہومر کی گونج نہیں
اساطیر ہمارے دروازوں پر تب دستک دیتی ہیں
جب ہمیں ان کی ضرورت ہوتی ہے
یہاں کسی چیز میں ہومر کی گونج نہیں
صرف ایک جنرل ہے
جو ملبے میں بیدار ہوتے اُس ملک کو تلاش کر رہا ہے
جسے مستقبل کے ٹرائے سے آتے گھوڑے کی قلانچوں میں چھپا دیا گیا ہے

ٹینک میں بیٹھے فوجی
میدان جنگ کی عینک سے
وجود اور عدم کے درمیانی فاصلے کو ناپتے ہیں

ہم اپنی سمت آتے راکٹوں اور اپنے جسموں کے درمیان فاصلے کو
صرف اپنی چھٹی حس سے ناپتے ہیں

اور تم جو اب ہماری دہلیز پر کھڑے ہو
آؤ، اندر آ جاؤ، ہمارے ساتھ بیٹھو
اور عرب کافی کی چسکیاں لو
[شاید تم بھی محسوس کرنے لگو کہ تم بھی انسان ہو، جیسے ہم ہیں]
تم جو وہاں ہماری دہلیز پر کھڑے ہو
اپنے راکٹ اٹھاؤ اور دور ہو جاؤ ہماری صبحوں سے
تب شاید ہم خود کو زیادہ محفوظ محسوس کریں
اور شاید انسان بھی
جیسے تم ہو

شاید ہمیں وقت مل جائے، کچھ آرام اور فنون لطیفہ کے لیے
شاید ہم تاش کھیلیں اور اپنے اخبار پڑھیں
اپنے زخمی ماضی کی خبریں سنتے ہوئے
شاید ہم ستاروں کا حال پڑھیں
اور یہ دیکھیں کہ کیسا گذرے گا دو ہزار دو کا سال
کیمرہ ان پر ہنسے گا جو پیدا ہوئے ہیں محاصرے کے بُرج میں

جب کبھی میرے پاس آتا ہے دیروز
میں اُسے کہتا ہوں:
جاؤ، چلے جاؤ، وقت ٹھیک نہیں
جاؤ اور کل آنا!

میں اپنے دماغ کو کھنگالتا ہوں، لیکن بے کار
ایسے میں کیا سوچے گا مجھ ایسا آدمی
وہاں پہاڑی کی چوٹی پر، گذشتہ تین ہزار سال
اور گذرتے ہوئے اس لمحے میں؟
سوچیں مجھے قتل کرتی ہیں
یادداشت مجھے جگاتی ہے

جب ہیلی کاپٹر اوجھل ہوتے ہیں
تو فاختائیں اڑتی ہوئی لوٹ آتی ہیں
سفید، انتہائی سفید،
اپنے آزاد پروں سے افق کے گالوں کی حدود اجاگر کرتی
وہ اپنی چمک اور آسمان پر اپنی ملکیت کا اعادہ کرتی ہیں
پرواز کرتی رہتی ہیں
اونچی سے اونچی اڑان بھرتی فاختائیں
'کاش یہ آسمان واقعی آسمان ہوتا'
دو دھماکوں کے درمیان سے گذرتے ہوئے ایک آدمی چلاتا ہے
ایک جھلملاتا آسمان، ایک تصور کا کوندا!
ایک ہی ہیں سب...
منکشف ہو جائے گا جلد
اگر یہ نزول ہے
ورنہ قریبی دوست تو جان ہی لیں گے
گذر گئی ہے نظم

اپنے شاعر کو روندتی ہوئی

ایک نقاد سے

میرے الفاظ کی تشریح ایسے مت کرو
جیسے تم اپنی چائے میں چینی ملانے کے لیے چمچہ چلاتے ہو
یا مرغی کے سینے کی بوٹی چباتے ہو
جب میں نیند میں ہوتا ہوں تو لفظ مجھے محصور کر لیتے ہیں
لفظ جنھیں میں نے برتا بھی نہیں
وہ مجھے لکھتے ہیں
اور جاتے ہوئے مجھے باقی نیند کی تلاش پر لگا جاتے ہیں

سپاہیوں کے عقب میں سدا بہار صنوبر وہ مینار ہیں
جو آسمان کو گرنے سے بچاتے ہیں
ٹینک کی حفاظت میں خاردار تاروں کے پیچھے
سپاہی پیشاب کرتے ہیں
خزاں کا دن اپنی سنہری کوچہ نوردی
اُن گلیوں اور پیادہ رستوں پر مکمل کرتا ہے
جو اتوار کی عبادت کے بعد گرجا گھر کی طرح خالی پڑے ہوتے ہیں

کل ہم زندگی سے محبت کریں گے
جب کل آئے گی تو زندگی محبت کے لائق ہو جائے گی
بالکل جیسی وہ ہوتی ہے

عام سی یا پیچیدہ
دھندلی یا رنگا رنگ... نہ تو یوم حساب نہ ہی ایک اور زندگی
اور اگر لطف ہی ناگزیر ہوا
تو ہونے دو
دل پر بھی لطیف اور کمر پر بھی آسان
ایک بار مسرت کا ڈسا ہوا
ہوا بھی تو کتنا محتاط ہوگا

ایک طنز نگار نے مجھ سے کہا:

اگر مجھے شروع میں ہی کہانی کے انجام کا علم ہو جاتا
تو میں نے ایک لفظ بھی نہ لکھا ہوتا!

ہر موت ہوتی ہے پہلی موت
چاہے اس کے لیے دعائیں مانگی جا رہی ہوں یا گنی جا رہی ہوں گھڑیاں
میں کیسے تصور کر سکتا ہوں
ایک ہی چاند سو رہا ہے ہر پتھر کے نیچے؟

ایک قاتل سے

اگر تو نے اس معتوب کی آنکھوں میں دیکھا ہوتا جسے تو نے قتل کیا
تو تجھے گیس بھرے کمرے میں بند اپنی ماں ضرور یاد آتی
تو نے خود کو گولیوں کی دانش سے آزاد کرا لیا ہوتا

اور اپنا ارادہ بدل لیا ہوتا
'شاید اب میں خود کو کبھی نہیں ڈھونڈ پاؤں گا'

ایک اور قاتل سے

اگر تو نے جنین کو تیس دن اور چھوڑ دیا ہوتا
ماں کی کوکھ میں
تو سب کچھ بہت مختلف ہو سکتا تھا
قبضہ ختم ہو جاتا، یہ شیر خوار محاصرے کو بھول جاتا
صحت مند پروان چڑھتا
تمھاری بیٹیوں میں سے کسی کے ساتھ اسکول میں
ایشیا کی قدیم تاریخ پڑھتا
شاید انھیں ایک دوسرے سے محبت ہو جاتی
شاید یہ محبت ایک بچی کی شکل اختیار کر لیتی
[ایک بچی جو پیدائشی یہودی ہوتی]
تو پھر، تم نے یہ کیا کر دیا؟
بیوہ کر دیا اپنی ہی بیٹی کو
یتیم کر دیا اپنی نواسی کو
کیا کیا ہے تم نے اپنے ہی پھیلتے ہوئے خاندان سے؟
دیکھو کیسے تم نے ایک پتھر سے مار گرائی ہیں تین فاختائیں؟

بے مقصد ہے منظوم کلام
اگر وہ کسی تال میں نہ ہو

صرف درد ہوتا ہے ناقابلِ پیمائش

ہرگز ضروری نہیں تھی یہ ظلم
بھول جاؤ اسے، درگذر کرو
فراموش کر دو
درد کی کفایت میں یہ محض افراط ہے
جیسے میل یا بہت سا زنگ

یہ دھند تاریکی ہے، دبیز سفید تاریکی
کسی نارنگی کا چھلکا، یا امید سے ایک عورت

محاصرہ محوِ انتظار ہے
طوفان کے درمیان
وہ ایک ترچھی سیڑھی پر محوِ انتظار ہے

ہم اکیلے ہیں
ہم اپنے اکیلے پن کے ساتھ دُھت ہونے کی حد تک اکیلے ہیں
ہم اکیلے ہیں کبھی کبھار آ نکلنے والی دھنک کے ساتھ

ہمارے بھی بھائی بہنیں ہیں سمندر پار
مہربان بہنیں جو ہم سے محبت کرتی ہیں
بھائی جو ہماری طرف دیکھتے اور روتے ہیں

اور بڑی راز داری سے کہتے ہیں
'کاش یہ محاصرہ یہاں ہوتا... اور ہم بھی...'
وہ جملہ نامکمل چھوڑ دیتے ہیں
ہمیں اکیلا مت چھوڑو، نہیں
ہمیں اکیلا مت چھوڑو

قبائل اب سائرس کے پاس نہیں جاتے
نہ سیزر سے فریاد کرتے ہیں
نہ ہی لڑتے جھگڑتے ہیں خلافت پر
آج کل یہ سب ہیں خاندان کی باتیں
جدیدیت کے ورغلانے میں آیا ہوا خاندان
جس نے سارے اونٹ دے کر لے لیا ایک جیٹ

تنہائی کی سبب میں چیخنے لگتا ہوں
انھیں جگانے کے لیے نہیں جو مر چکے ہیں دنیا کے لیے
بل کہ اپنی تنہائی کی اس قید سے باہر خود کو کچوکا لگانے کے لیے

میں ان شاعروں میں آخری ہوں
جو اپنے دشمنوں کی پریشانیوں سے پریشان ہوتے ہیں
شاید بہت چھوٹی ہو گئی ہے دنیا
طرح طرح کے ان لوگوں اور ان کے معبودوں کے لیے

یہاں، ہم پر مرکوز ہو گئی ہے تاریخ
اچھی، بری، ہر طرح کی تاریخ
تمام گناہوں کے بغیر
مختصر ہو سکتی تھی بائبل
زیادہ تیز ہو سکتی تھی نجات کی سمت پیغمبروں کی رفتار
تمام ترغیبات کے بغیر
ابدیت کو کرنے دو اپنا کام
میں، میں بتاتا رہوں گا سایوں کو:
اگر یہاں کی تاریخ کم پُرہجوم ہوتی
تو بہت مشہور ہوتے چناروں کی شان میں ہمارے قصائد

روزانہ کے نقصانات کا حساب:
دو سے آٹھ معتوب ذبح کر دیے جاتے ہیں
دس زخمی ہو جاتے ہیں
بیس گھروں کو بلڈوز کر دیا جاتا ہے
زیتون کے پچاس درخت اکھاڑ دیے جاتے ہیں جڑوں سے
ذہن میں رکھا جائے کہ ساری جگہ ہی درستی سے ہٹی ہوئی ہے
اسی تصور سے متاثر ہوتی ہیں نظمیں اور ڈرامے
اور مصوروں کی نامکمل تصاویر

ہم اپنے دکھ کو پیالوں میں مہر بند کر دیتے ہیں
تاکہ قبضے کا جشن مناتے سپاہی

اُسے استعمال نہ کر سکیں

ہم اُسے برے دنوں کے لیے اٹھا رکھتے ہیں

کسی ایسے وقت کے لیے

جب کچھ غیر متوقع ہو جائے

جب زندگی معمول پر آ جائے

ہم بھی دُکھی ہوں جیسے دوسرے ہوتے ہیں

ہم بھی روئیں بدنصیبیوں پر

وہ باتیں جو شہ سرخیوں میں نہیں آتیں

کل جب ہر چیز ٹھیک ہو جائے

اور آخرِ کار اپنے منھ کھول سکیں ہمارے زخم

جلاوطنی کی روشنی سے بھری ایک گذرگاہ پر

ایک خیمہ لگا ہے، ہواؤں کے چوراہے کے قریب

ہوا کبھی نہیں چلتی جنوب سے

مشرق ہے صوفی ازم میں رنگا مغرب

مغرب لہراتا ہے قاتلانہ جنگ بندی کا معاہدہ

جیسے پھیلاتا ہے امن کی جعلی کرنسی

جہاں تک ہواؤں کے شمالی مسکن کا تعلق ہے

وہاں معبود اپنی باتوں میں لگے رہتے ہیں

اور ہواؤں کو کھونے دیتے ہیں ان کی سمتیں

وہ اُسے کہتا ہے:

میرا انتظار کرنا پاتال کے کنارے
وہ اسے کہتی ہے:
آؤ میرے پاس آ جاؤ، میں ہوں پاتال

ایک عورت ایک بادل سے کہتی ہے:
ذرا میرے اس عزیز پر سایا کر دو
میرے کپڑے اس کے خون میں لت پت ہیں

میرے عزیز! اگر تم بارش نہیں بن سکتے
تو درخت بن جاؤ
سرسبز اور لہلہاتا درخت
اگر تم درخت نہیں بن سکتے، تو میرے پیارے
ایک پتھر بن جاؤ
اوس سے بھرا، ایک پتھر
اور اگر پتھر بننا ممکن نہیں تو عزیزِ من
چاند بن جاؤ،
چاند بن جاؤ اور اُس کے خوابوں میں آؤ جو تم سے محبت کرتی ہے
چاند بن جاؤ بذاتِ خود
[یہ کہتی ہے ایک ماں
اپنے بیٹے سے، اس کی تدفین پر]

رات سے

بہ ہر طور، تم انصاف کا جتنا بھی دعویٰ کرو
تمھارا سب کچھ انھی کے لیے ہے
خواب دیکھنے والوں کے لیے
اور محافظوں کے لیے جو خوابوں کو قید کرتے ہیں
اُس کے بعد بچ رہتا ہے ٹوٹا ہوا ایک چاند
تمھاری قمیض کا رنگ کبھی نہیں بدل سکے گا خون

مقتول بیٹے کے لیے

ہم ایک باپ سے تعزیت کرتے ہیں
اعلا مقام ملے گا معتوب کو جنت میں ...وغیرہ، وغیرہ
کچھ ہی دیر بعد
ہم اُسے مبارک دیتے ہیں
بیٹے کی پیدائش پر

موت سے

ہم اس ٹینک کو جانتے ہیں جس نے تجھے بھیجا
ہمیں اچھی طرح معلوم ہے تم کیا چاہتی ہو
اس لیے جاؤ لوٹ جاؤ وہیں جہاں سے آئی ہو
صرف ایک ہی انگوٹھی کم ہوگی شادی کی
معذرت کر لینا سپاہیوں سے، معافی مانگ لینا افسروں سے

کہہ دیا: تو بیاہتا جوڑے نے پکڑ لیا تھا تمھیں ناکے

تم کمزور پڑ گئیں

اور اکیلی دلھن کو پہنچا دیا میکے، روتے ہوئے

اے خدا، اے خدا

تو نے بھی مجھے کیوں چھوڑ دیا!

جب کہ ابھی میں بچہ ہوں

اور باقی ہے میری آزمائش؟

ماں نے کہا:

میں نے کبھی اُسے اُس کے خون میں بھیگا نہیں پایا

میں نے کبھی خون کو فرش پر بھی نہیں دیکھا

وہ دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا پھولوں کا جوشاندہ پی رہا تھا

اور اگلے روز کچھ کرنے کے لیے سوچ رہا تھا

ماں نے کہا:

پہلے تو مجھے بھی پتا نہیں چلا کہ وہ کہہ کیا رہے ہیں

انھوں نے بتایا: اُس نے شادی کر لی ہے

میں خوشی میں چلانے لگی

میں رات بھر اس وقت تک ناچتی رہی جب تک سب چلے نہیں گئے

کچھ نہیں بچا پیچھے

سوائے پھولوں کے

تب میں نے پوچھا:
لیکن نو بیاہتا جوڑا ہے کہاں؟
مجھے بتایا گیا: جنت میں
دو فرشتے جنھوں نے ابھی ابھی ایجاب وقبول کیا
ایک بار پھر خوشی سے میری چیخیں نکل گئیں
میں واویلا کر رہی تھی اور ناچ رہی تھی
یہاں تک کہ میں لنگڑانے لگی
میں نے اتنا گایا کہ میری آواز بیٹھ گئی
بتا، مجھے بتا میرے بیٹے
کب ختم ہوگا تیرا ہنی مون

طویل ہوتا جائے گا محاصرہ
جاری رہے گا تب تک محاصرہ
جب تک محاصرہ کرنے والے محصوروں کی طرح یہ نہیں جان لیں گے
اکتاہٹ کا مطلب ہے انسان ہونا

اے رات رات بھر جاگنے والو!
کیا تم یہ دیکھ دیکھ کر اکتا نہیں جاتے
کہ ہم ایک دوسرے کو نمک تھماتے رہتے ہیں؟
کیا تم نے ہمارے زخموں سے پھوٹنے والے گلابوں کا نظارہ
بہت نہیں کر لیا؟
کیا تم تھکے نہیں؟

رات رات بھر نگرانی کرنے والو!
کیا اب تک نہیں بھرا تمھارا جی؟

یہاں کھڑے ہونا، یہاں بیٹھنا،
یہاں رہنا اور یہیں رہنا تا ابد
ایک ہی ہے ہمارا مقصد، ایک اور صرف ایک:
ہونا اور ہونے کو جاری رکھنا
اس کے علاوہ ہو سکتا ہے ہر بات پر اختلاف
ہمارا اختلاف ہو سکتا ہے:
قومی پرچم پر
قومی پرچم کے رنگوں اور ساخت پر
(کیا ہی اچھا ہو اگر ہم
گدھے جیسے سادہ لوح کو قومی نشان کے طور پر چُن لیں)
ہمارا اختلاف ہو سکتا ہے قومی ترانے کے الفاظ پر
(کیا ہی اچھا ہو اگر ہم
دو فاختاؤں کی شادی پر لکھے گئے گیت کو منتخب کر لیں)
عورتوں کے فرائض پر ہم اختلافات کا شکار رہے ہیں
(کیا ہی اچھا ہو اگر سکیورٹی سروسز کا سربراہ کسی عورت کو بنا دیا جائے)
تناسب اور سرکاری و نجی پر بھی ہیں اختلافات
ہم ہر بات پر اختلاف کرتے ہیں
لیکن ہمارا مقصد ایک ہے: کہ ہم ہیں اور رہیں گے
اس مقصد کو حاصل کرنے کے بعد

ہمارے پاس بہت وقت ہوگا دوسرے معاملوں کو نمٹانے کے لیے

مسلسل جاگ رہے ہو، کیا تم تھکتے نہیں
مسلسل پیچھا کر رہے ہو
ہماری کہانی میں روشنی
اور ہمارے خون میں سرخ شعلے کا
کیا تم تھکتے نہیں
تم جو مسلسل بے خواب ہوئی راتوں سے؟

یہاں کھڑے ہونا، یہاں بیٹھنا،
زیرِ زمین بہت نیچے
نامکمل فعل
اس جملے کے آخر تک
گردان جاری رکھیں گے

جیل جاتے ہوئے اس نے مجھ سے کہا:
جب رہائی پاؤں گا تو ہی جان پاؤں گا
کہ وطن کی تعریف کرنا بھی اُس کا تمسخر اڑانے کی طرح ہے
ایک ایسا کام جیسے ہوسکتا ہے کوئی اور کام

صبح کی تیاری کرتی زمین پر
اپنے گھوڑے پر کاٹھی ڈالو

اور پہاڑ کی چڑھائی چڑھو
لیکن چلنا ہے تمھیں
اپنے خواب کے ساتھ ساتھ اور آگے
اس کے بعد آہستگی سے لرزتی چٹان پر
اگر آسمان تمھیں نیچا نہ دکھائے
تو کچھ دیر آرام کر لینا

کیسے میں رہ سکوں گا اپنی آزادی کے ساتھ؟
اور کیا میرے ساتھ رہے گی میری آزادی؟
کہاں رہیں گے ہم عقد و نکاح کے بعد؟
صبح ہو گی تو کیا اُس سے پوچھوں گا؟:
کیا تم اچھی طرح سوئیں، میرے پہلو میں؟
کیا تم نے جنت میں ہونے کا خواب دیکھا؟
تم نے خواب میں جو کچھ کیا، کیا تمھیں اچھا لگا؟
جب تم جاگیں تو کیا بستر پر دائیں جانب تھیں؟
تم کیا لو گی: چائے
یا کافی کریم کے ساتھ؟
پھلوں کا رس تمھیں زیادہ اچھا لگے گا یا بوسے؟
کیسے آزاد کروں میں اپنی آزادی؟
اے اجنبی عورت!
ہو سکتا ہے میں تمھاری پسند کا مرد نہ ہوں!
لیکن تم ایسے ہی سمجھو

تمھارا ہی گھر ہے میرا بستر
اور خود کو بالکل آزاد کر دو اپنے ساتھ
مجھے اڑا دو، جیسے گلاب کو اڑایا جاتا ہے پنکھڑی پنکھڑی
پیاری آزادی!
مجھے اپنی مسکراہٹ سے مانوس ہو لینے دو
مجھے لے جاؤ معنی و مفاہیم سے بھی آگے
جب تک ایک نہ ہو جائیں ہم دونوں
کیسے میں سہوں گا اُسے؟
کیسے وہ سہے گی مجھے؟
اتنا گرویدہ ہوں میں اپنی آزادی کا
تو کیسے حاصل کروں گا اُس پر دسترس؟
کیسے میں دوں گا اپنی آزادی کو آزادی
جب تک خود کو اکیلا نہیں کروں گا؟

کافی ہے
لامحدود نیلاہٹ کا تھوڑا سا حصہ
اس وقت کو لطیف بنانے کے لیے
اس جگہ کو تمام آلودگی سے پاک کرنے کے لیے

محاصرہ جاری رہے گا
جب تک ہمارے ڈاکٹر اور مذہبی پیشوا
سب کے سب جراح درخت نہیں بن جاتے

جاری رہے گا محاصرہ
اور اس کے ساتھ ساتھ چلتا جائے گا میرا استعاراتی محاصرہ
یہاں تک کہ مجھے ولیوں کی طرح صبر کرنا آ جائے
میرے سامنے: رو رہے ہیں وادی کے گلِ سوسن
اور میرے پیچھے بھی: رو رہے ہیں وادی کے گلِ سوسن
اور ششدر نظروں سے دیکھ رہے ہیں
زمان و مکاں

پرانے دوستوں کی طرح ہاتھ تھامے
آہستہ آہستہ پہلو میں چلتی
میری روح کو پھسل جانے دو نیچے خاموشی سے
آؤ ہم نوالہ و ہم پیالہ ہوں
اور پھر ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے
سڑک پر چلیں پہلو بہ پہلو
پرانے دوستوں کی طرح
یہاں تک کہ ہمارا راستہ دوشاخہ ہو کر
دو سمتوں کو چل پڑے
میرا رستہ تو لے جائے گا دنیا سے باہر
اور روح... تو وہ
جا رمائے گی دھونی کسی چوٹی پر

ایک شاعر سے

جب غیر حاضری تمھیں چھوڑ جائے

تو تنہائی کی نعمت ڈھونڈنا

کھونے کا جوہر بن جانا

بن جانا خود اپنا موضوع

حاضری کی اعلاترین شکل ہے غیر حاضری

شاعری سے

محاصرہ بنو

اپنا محاصرہ

نثر سے

صدیوں سے کتب بینی کی تمام شہادتیں جمع کرو

شہادتوں سے پامال حقیقتوں کو برداشت کرنے کے لیے

خاک کی شہادتوں کو برداشت کرنے کے لیے

شاعری اور نثر سے

ساتھ ساتھ پرواز کرو

اور بہار کی پیغام پہنچاؤ

جیسے چکاوک بلندیوں پر نغمہ سرا ہوتا ہے

جب میں محبت کے بارے میں بیس مصرے لکھتا ہوں
تو تصور کرتا ہوں محاصرہ
پیچھے ہٹ گیا ہے بیس میٹر

وہ مذاق کا موقع ڈھونڈ لیتا ہے:

نہ تو بجتا ہے کبھی فون
نہ ہی بجتی ہے کبھی دروازے کی گھنٹی
تو کیسے جان لیتے ہو تم کہ میں نہیں ہوں؟

وہ گیت گانے کا موقع نکال لیتا ہے:
تمھارے انتظار میں نہیں کر سکتا تمھارا انتظار:
دستوئیفسکی نے مجھے کھو دیا
میں نہیں سہہ سکتا
ماریا کالاس اور امِ کلثوم کی آہیں
تمھارے انتظار میں نہیں کر سکتا تمھارا انتظار:
الٹا گھومنے لگے ہیں میری گھڑی کے ہاتھ
ایک ایسے وقت کی طرف جس کا نہیں ہے کوئی مقام
تمھارے انتظار میں نہیں کر سکتا تمھارا انتظار:
انتظار نہیں کر سکتی انتظار کی ابدیت

اُس نے اُس سے پوچھا:

تمھارا پسندیدہ پھول؟

گلنار، سیاہ گلنار

وہ پوچھتا ہے:

ان سیاہ گلناروں کے ساتھ تم مجھے کہاں لے جاؤ گی؟

وہ اُسے بتاتی ہے:

روشنی کی طرف، جو ہے میرے اندر گہرائی میں

اور پھر وہ اُسے بتاتی ہے:

میرے اندر ہے گہرائی میں،... گہرائی... اور گہرائی... اور گہرائی

محبت سے:

اے محبت، اے نامعلوم کے پرندے

آؤ ہم ابدیت کی نیلاہٹ کی امید ہی چھوڑ دیں

صرف ایک بار،

غیر حاضری کی حدت کو فراموش کر دیں

اور اس کی بجائے میرے ساتھ رات کا کھانا کیوں نہیں کھاتیں؟

میں پکاؤں گا کھانا

اور تم جام بھرنا اور اپنی پسند کی موسیقی لگانا

جلتی ہوئی روح کے بارے میں ایسی موسیقی جو سماعت پر لطیف ہو

اگر کسی نے کبھی تمھیں آسیب کہا

تو درست کہا

اگر کسی نے کبھی تمھیں بیاری کہا

تو ہاں، درست ہی کہا

لیکن میں تمھارے آر پار دیکھ سکتا ہوں!

دیکھو، تم اس وقت ہو میرے کچن میں

اور خاموشی سے لہسن چھیل رہی ہو

اور جب ہم کھانا کھا چکیں گے

تو تم کسی پرانی رومانی فلم کا انتخاب کرنا، ساتھ بیٹھ کر دیکھیں گے

اور فلم کے بعد مجھے سمجھانا کہ کیسے دو محبت کرنے والے

یہاں معتوبوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں

اختتامِ محاصرہ کے بعد کی صبح

نیلی جینز اور پھول دار قمیض پہنے

ایک لڑکی اپنے محبوب سے ملنے جائے گی

مگن اور بے فکر جیسے مارچ میں چیری کے درخت

یہ وقت ہمارا ہے، میری جان، سارے کا سارا

اس لیے دیر مت کرنا، پہنچ جانا وقت سے پہلے

میرے کاندھے پر پہاڑی کوا آ بیٹھا ہے

مہربانی کرنا پہنچ جانا وقت سے پہلے

اور اس سے پہلے کہ سیب کھایا جا چکے

وہ محبوب کا انتظار کر رہی ہے، وہ امید کی منتظر ہے

اور وہ کبھی بھی، کبھی بھی نہیں پہنچ پائے گا

'اب میں رہوں گا یا وہ'
اس طرح شروع ہوتی ہے جنگ
اور ختم ہوتی ہے اس دردناک اعتراف پر
کہ وہ بھی اور میں بھی، موجود ہیں اکٹھے

'میں ہمیشہ اس کے ساتھ رہوں گا'
اس طرح شروع ہوتی ہے محبت
اور ختم ہوتی ہے
میری اور اُس کی دردناک جدائی پر

نہ تو میں تم سے محبت کرتا ہوں اور نہ ہی نفرت
ایک قیدی تفتیش کار سے کہتا ہے
میرا دل جن چیزوں سے بھرا ہے ان کا تم سے کوئی تعلق نہیں
میرا دل دانائی کی خوشبو سے بھرا ہے
میرا دل روشنی اور معصومیت سے لبریز ہے
میرے دل میں تمھارے سوالوں کی کوئی گنجائش نہیں
بات یہ ہے کہ تم میری طرح کے نہیں ہو
تم میرے کون ہو جو میں تم سے قریب ہو جاؤں؟
کیا تم میری زندگی کا حصہ ہو؟
کیا تم شام کی چائے ہو یا ہارمنی بجاتی ہوئی بانسری
یا کوئی گیت جس کی مجھے تعریف کرنی چاہیے؟
مجھے حراست سے نفرت ہے لیکن تم سے نہیں!

قیدی تفتیش کار سے کہتا ہے
کوئی تعلق نہیں میرے احساسات سے تمھارا
میرے احساسات میرے ہیں
میرے احساسات ہیں میری آزادی
میرے احساسات آزاد ہیں دلیل اور منطق سے
بحور، اوزان، ردیف قافیوں اور ذومعنویت سے

محاصرہ تب تک جاری رہے گا جب تک
اولمپس کے دیوتا
ایلیڈ کی نئی تخلیق نہیں کرتے

ایک بچہ پیدا ہوتا ہے
یہاں، موت گلی میں
صبح ایک بجے

دھماکے سے اڑ کر ستاروں تک جا پہنچنے سے کچھ پہلے
ایک بچہ چار رنگی پتنگ سے کھیلتا ہے
سیاہ وسفید، سبز وسرخ

ہم اپنی تقدیر سے میلوں دور بیٹھتے ہیں
ان پرندوں کی طرح جو
مجسموں کی دراڑوں

چینی کے پیالوں یا
اُس سڑک کے کنارے لگے خیموں میں گھونسلے بناتے ہیں
جس پر سے شکار پر جاتے شہزادے
گھوڑوں پر سوار گذرتے ہیں

ایک گارڈ سے

سکون سے رہو!
میں تمھیں سکھاتا ہوں
ملتوی شدہ موت کے دروازے پر
انتظار کیسے کیا جاتا ہے
ذرا صبر!
کچھ دیر میں تم مجھ سے اکتا جاؤ گے
میری پیٹھ سے اپنا سایا اٹھاؤ گے
اور میرے بھوت سے جان چھڑا کر
رات میں غائب ہو جاؤ گے

ایک اور گارڈ سے

میں تمھیں سکھاؤں گا
کیفے کے دروازے پر
انتظار کرنا کیا ہوتا ہے؟
دل کی آواز کو غور سے سنو، کیسے وہ رکتا ہے

اور کیسے اچانک پاگل پن میں زور زور سے دھڑکنے لگتا ہے
اور تم خوف سے کانپنے لگتے ہو میری طرح
آرام سے کام لو...
میرے ساتھ سیٹی میں اداسی کی یہ دھن بجاؤ
جو اندلس سے ہجرت کر کے فارس کے راستے یہاں پہنچی ہے
صرف اسی لیے یاسمین کی خوشبو تمھارا دل توڑتی ہے
اور پھر تم اٹھ کر چلے جاتے ہو

تیسرے گارڈ سے

میں تمھیں
پتھر کی بنچ پر
انتظار کرنا سکھاؤں گا
اگر ہم اپنے نام بدل لیں تو تم پر
ایک خاص طرح کی مشابہت منکشف ہو گی
تمھاری ایک 'مام' ہو سکتی ہے
لیکن میری ماں ہے
ہم ایک سی بارشوں میں بھیگتے ہیں
ایک ہی ہے چاند جسے خواب میں دیکھتے ہیں
ایک ہی میز ہے ہم سے مختصر فاصلے پر

دن نکلتا ہے تو سائے سبز ہوتے ہیں
اور شیر جا لیٹتا ہے بھیڑ کے برابر

اور ویسے ہی خواب دیکھتا ہے جیسے میں، اپنے سرپرست فرشتے کی طرح
کہ زندگی تو ہے یہاں رہنا، وہاں نہیں
تھوڑی سی افراتفری کے باوجود
ایک انچ نہیں ہٹتیں اساطیر اپنی جگہ سے
جہاز خشکی پر چڑھ آتے ہیں
ایک ایسی زمین پر جو لوگوں سے خالی ہے
فینٹسی اور حقیقت ایک دوسرے میں خلط ملط ہو سکتے ہیں
لیکن پلاٹ اپنی جگہ نہیں بدلتے
ہمارے زمینی حقائق کو
بلڈوز کیا جا سکتا ہے
لیکن ایک دن آئے گا
سچائی پھرے گی برہنہ سب کے سامنے

ایک نیم مستشرق سے:

چلو فرض کر لیتے ہیں کہ تم ٹھیک ہو
مان لیا کہ میں ایک سست دماغ، بچگانہ ذہن اور نصف عقل ہوں
یہ بھی فرص کر لیتے ہیں کہ میں کبھی گولف کا اچھا کھلاڑی نہیں بنوں گا
یا جدید ٹیکنالوجی کو سمجھ نہیں پاؤں گا
یا نہیں بن پاؤں گا پائلٹ
کیا ان باتوں سے تمھیں یہ حق حاصل ہو جاتا ہے
کہ تم میری زندگی پر قابض ہو جاؤ؟
اگر میں کوئی اور ہوتا

اگر تم کوئی اَور ہوتے
تو ہم دوست ہو سکتے تھے
ہم اعتراف کر سکتے تھے کہ ہم کتنے احمق ہیں
شائیلاک جیسے بے وقوف، لیکن کیا
بے وقوف دل نہیں رکھتے
انھیں روزی روزگار کی ضرورت نہیں ہوتی
ان کی آنکھیں آنسوؤں سے نہیں بھرتیں؟

محاصرے میں
وقت ایک مقام ہے
ایک مقام کا پابند
محاصرے میں
مقام ایک وقت ہے
وقت سے باہر

ہر جگہ کی ایک اپنی خوشبو ہوتی ہے
جب کبھی مجھے اپنا گاؤں یاد آتا ہے
میرے حواس اُس کی خوشبو کے شدید اثر سے بھر جاتے ہیں
اور دل ایک بار پھر لوٹنے کو تڑپنے لگتا ہے

زمین چاہے اونچی ہو یا نیچی
چاہے مقدس ہو یا بے حرمت

اسمائے صفت میں الجھنا لا حاصل ہے
ہو سکتا ہے کسی دن آسمان کھل جائے
اور خود کو ایک نقشے میں پھیلا دے

میرا معتوب مجھے ستاتا ہے
روزانہ سوال کرتا ہے:
تم کہاں تھے؟
واپس لغات میں بھیج دو
وہ تمام لفظ جو تم نے ہمیں دیے
ان کی بازگشت ان کے خوابوں میں خلل ڈالتی ہے
جو یہاں سو رہے ہیں

معتوب مجھے بتاتا ہے:
ایک رتی بھر غرض نہیں مجھے
کنواریوں سے بھری جنت سے
یا لافانیت کی نعمت سے
مجھے انجیر اور صنوبر کے درختوں کے درمیان
زمین کی زندگی سے محبت تھی
لیکن اُس جنت نے مجھے اِس سے محروم کر دیا
جو کچھ میرے پاس تھا
اُسے تلاش کر رہا ہوں اور کرتا رہوں گا
اپنی رگوں میں خون کے آخری قطرے تک

معتوب مجھے بتاتا ہے:
فن کا کوئی وجود نہیں
میری آزادی کے بغیر

میرا معتوب مجھے تنبیہ کرتا ہے:
میرے جنازے میں ان کے واویلے پر یقین مت کرنا
ان کی بجائے میرے باپ کو دیکھنا
کیا کہہ رہا ہے سسکیوں میں میری تصویر کو سینے سے لگائے:
کیسے بدل لیں ہم نے اپنی جگہیں، میرے بیٹے؟
مجھے جانا چاہیے تھا پہلے، مجھے ہونا چاہیے تھا پہلے!

معتوب اصرار کرتا ہے:
کچھ نہیں بدلا
میرا گھر
میرے گھر میں سیکنڈ ہینڈ فرنیچر کے سوا
میرے بستر میں گرمڑی مارے پڑا ہے غزال
اور میری انگلیوں سے لپٹا ہلال
میری اذیت کو کم کرتے ہیں

معتوب بضد ہے:
میرے جنازے میں دکھائی مت دینا
اگر تم میرے دوست نہیں تھے

مسترد کرتا ہوں میں ساری تعزیتی تقریریں

محاصرہ تب تک اپنی گرفت تنگ رکھے گا
جب تک ہم مطلق غلامی اور اُس کے فوائد کے
پوری طرح قائل نہ ہو جائیں
اور یہ اعلان نہ کرنے لگیں کہ
ہم نے انتخاب کی مکمل آزادی سے کام لیا ہے

مزاحمت کا مطلب ہے یہ یقین کرنا
کہ تمھارے دل اور فوطوں میں گدگدی ہوتی ہے یا نہیں
یہ یقین کرنے کے لیے کہ وہ بیماری پوری طرح باقی ہے
جسے کہتے ہیں: امید

صبح جتنی بھی رہ گئی ہے میں اس میں
جسم سے باہر گھوموں گا
رات جتنی بھی رہ گئی ہے میں اُس میں
اپنے ہی قدموں کی چاپ سنتا ہوں اپنے اندر

اگر محبت بیمار ہو جائے گی تو اس کا علاج کرلوں گا
لطیفوں اور بذلہ سنجی کی خوراک سے
اگر محبت بیمار ہو جائے گی تو اس کا علاج کرلوں گا
گائیک کو گانے سے الگ کر کے

محاصرے نے مجھے بدل ڈالا ہے
میں ایک گلوکار تھا
اور اب ہوں وائلن کا چھٹا تار

ایک قاری سے:

کبھی کسی نظم پر اعتبار مت کرنا
یہ عدم کا حقیقی واہمہ ہے
نہ ہے گمان اور نہ تخیل
یہ ہے صرف اختتام کا احساس

تحریر ایک لیپ ڈاگ ہے
جو صرف کسی کسی پر بھونکتی ہے
تحریر زخمی کر سکتی ہے
لیکن خون نہیں بہا سکتی

میرے دوست میرے وداع کا منصوبہ بنا رہے ہیں
جس میں شامل ہے بلوط کے سائے میں ایک آرام دہ قبر
اور ہمیشہ رہنے والے سنگ مرمر سے بنایا گیا کتبہ
لیکن میں جنازے میں پہنچ جاتا ہوں سب سے پہلے
اس حیرت میں کہ اس بار میرے دوستوں میں
کون نکل گیا مجھ سے آگے

یہ مقتول عورت ہے:
ایک مقتول کی بیٹی
ایک مقتول کی پوتی
ایک مقتول لڑکے کی بہن
اس مقتول لڑکی کی خالا
ایک ایسی ساس کی بہو جس کے بیٹے کو قتل کیا گیا
(جو خود ایک مقتولہ کی نواسی ہے)
وہ ایک مقتول کے چچا کی پڑوسن ہے
لیکن مہذب دنیا نے اس پر کوئی ردِعمل ظاہر نہیں کیا
بربریت تو کب کی آ کر جا چکی
اچھی زندگی جاری ہے
کوئی نہیں یہ عورت
اور سچائی، اس مقتولہ کی طرح، بہ ہر طور اضافی ہوتی ہے

خاموش، مہربانی کیجیے، خاموش ہو جائیے
سپاہیوں کے گیت سننے کا وقت ہو گیا ہے
وہ گیت جو مقتولوں نے مرتے ہوئے سنا
جو اب تک ویسا ہی پُر جوش اور تر و تازہ ہے
آخری پیالی میں کافی کی اس مہک کی طرح جو ان کی سانسوں میں رہتی ہے

جنگ بندی، جنگ بندی،

تا کہ ہم بھی دیکھ سکیں کہ واقعی بند ہو چکی ہے جنگ
لڑاکا طیارے ہلوں کے پھل بن چکے ہیں
ہم نے جنگ بندی کی التجا کی، صرف پانیوں کو دیکھنے کے لیے
صرف یہ دیکھنے کے لیے کہ
امن پھر سے ہمارے خون کے بہاؤ میں شامل ہو سکتا ہے
صرف ایک بار یہ دیکھنے کے لیے کہ
کہ ہم اپنی لڑائیاں شاعری سے بھی لڑ سکتے ہیں
لیکن انھوں نے ہمیں بتایا:
کیا تم نے سنا نہیں کہ امن کی ابتدا اپنے گھر سے کی جاتی ہے؟
کیا ہوگا اگر تمھاری موسیقی سے
ہماری اونچی دیواریں زمیں بوس ہو جائیں؟
اور ہم جواب دیتے ہیں:
تو اس میں کیا خرابی ہے؟ کیوں نہ ہو ایسا؟

تازہ پسے ہوئے بیجوں سے بنائی گئی ایک پیالی کافی
تکرار کرتی ہوئی چڑیاں
پتوں سے بھرے درختوں کے سایوں میں
ہری پیلی گھاس
ایک غزال کی طرح دیواروں پر قلانچیں بھرتا سورج
ہمارے بچے کھچے آسمان پر دوڑتے سفید بادل
اور وہ تمام چیزیں جن سے ہم محبت کرتے ہیں اور جو یاد آتی ہیں
اور جنھیں کچھ دیر کے لیے ہمیں بھولنے پر مجبور کر دیا گیا

بہار کی اس شاندار صبح میں
یہ چھوٹی چھوٹی نعمتیں ہماری زندگیوں کو جینے کے قابل بناتی ہیں

ابتدائے صبح کی تیاری کرتی اس زمین پر
تھوڑی دیر میں
سیارے شاعری کی زبان میں سو جائیں گے

کچھ ہی دیر میں
ہم اس سنگلاخ سڑک کو وداع کہیں گے
اور پوچھیں گے: کہاں سے کریں ابتدا؟

کچھ ہی دیر میں
ہم پہاڑیوں پر نئے نئے کھلے ڈیفوڈلز سے کہیں گے
تیار رہو، تمھارا حسن گہنا جائے گا
جب ہماری نوجوان لڑکیاں ادھر سے گذریں گی

میں جام اٹھاتا ہوں
ان کے نام جو رات کی اس لامتناہی سرنگ میں
ایک تتلی کی رنگا رنگ مسرت کے بارے میں
میری سوچ کے شریک ہوں

میں جام اٹھاتا ہوں

جو میرے ساتھ اس جام کا شریک ہو
اس رات کی گہری تاریکی میں
ایسی گہری تاریکی کہ ہم دونوں ہی اندھیرے میں ہیں
میں جام اٹھاتا ہوں اپنی روح کے نام

دوسری طرف کے مسافر کے لیے
امن ایک اور طرف کے مسافر کی خود کلامی کو سننا ہے

امن ایک محوِ پرواز فاختہ کی وہ آواز ہے
جسے ساتھ ساتھ کھڑے دو اجنبی سُنتے ہیں

امن دو دشمنوں کی یہ آرزو ہے
کہ انھیں اکتاہٹ میں مرنے کے لیے تنہا چھوڑ دیا جائے

امن دو ایسے محبت کرنے والے ہیں
جو چاندنی میں تیر رہے ہیں

امن کمزور سے
طاقت ور کی معذرت
اور اس پر اتفاق ہے کہ بصیرت میں ہے طاقت

امن حسن کے سامنے

ہتھیاروں کا ہتھیار ڈالنا ہے
اوس میں چھوڑ دیا جائے تو فولاد بھی زنگ بن جاتا ہے

امن کا مطلب ہے
اُس تمام کا مکمل اور ایماندارانہ اعتراف
جو مقتولوں کی روحوں کے ساتھ کیا گیا

امن کا مطلب ہے
ان تمام فصلوں کی منصوبہ بندی
جو ہم ان باغوں میں بوئیں گے
جنھیں لوٹا اور کھود ڈالا گیا

امن اندلسی موسیقی کا وہ کرب ہے
جو گٹار کے دل سے گریہ بن کر ابھرتا ہے

امن ایک ایسے نوجوان کے لیے کیا جانے والا نوحہ ہے
جس کا دل گولیوں اور بم سے نہیں
محبوبہ کے گال پر تل سے چھلنی ہو گیا

امن یہاں امن کا گیت گاتا ہے
عین زندگی کے درمیان
گندم کی پکی ہوئی فصل کے کھیتوں میں
چل رہی ہے ہوا، آزادی سے

میوراں

میورال

یہ ہے تمھارا نام،
ایک عورت کہتی ہے
اور بل کھاتی راہ داری میں غائب ہو جاتی ہے...
مجھے آسمان دسترس میں دکھائی دیتا ہے
ایک سفید فاختہ کا پر
مجھے ایک اور بچپن میں لے جاتا ہے،
یہ خواب نہیں
میں نے کبھی خواب کا خواب بھی نہیں دیکھا، ہر چیز حقیقت ہے
بالکل واضح طور پر میں نے خود کو ایک طرف پھینکا اور پرواز کر گیا
میں وہی ہوں گا، جو بالآخر مجھے ہونا ہے
آخری آسمان سے ادھر

...

اور ہر شے ہے سفید،
سفید ہے چھت بنے سفید بادل پر سوار ہوتا سمندر
اور مطلق کے سفید آسمان میں غیر سفید چیز
میں تھا اور نہیں تھا

سفید ابدیت میں اکیلا گھومتا
پہنچ گیا وقت سے پہلے
ایک بھی فرشتہ نہیں آیا مجھ سے پوچھنے:
کیا کیا کرتے رہے ہو تم ارضی دنیا میں؟
نہ تو سنائی دی طیبوں کی حمد و ثنا
اور نہ ہی کسی گناہ گار کی آہ وزاری
اکیلا ہوں اس سفیدی میں
اکیلا میں

...

بابِ حشر پر نہیں محسوس ہوئی کوئی اذیت
نہ تو وقتی، نہ جذباتی
نہ تو محسوس ہو رہی ہے اشیا کی لطافت اور نہ اندیشوں کا بوجھ
کوئی نہیں پوچھنے والا: کہاں ہے 'میرا کہاں پن' اب؟
کہاں ہے مرنے والوں کا شہر؟ اور کہاں ہوں میں؟
یہاں، اس کہیں نہیں میں... اس لا وقتی میں

...

نہ تو کوئی عدم ہے اور نہ ہی کوئی وجود
جیسے مر چکا ہوں پہلے بھی اور جانتا ہوں یہ سب
جانتا ہوں کہ درپیش ہے نامعلوم
ہو سکتا ہے اب تک زندہ ہوں کہیں اور
اور جانتا ہوں کہ کیا چاہتا ہوں...

ایک دن آئے گا ہو جاؤں گا وہ جو میں چاہتا ہوں

ایک دن آئے گا: میں ایک ایسا خیال بن جاؤں گا
جو کسی خرابے میں نہ تو تلوار کو آیا ہوگا، نہ ہی کسی کتاب کو...
گھاس کی پتی سے ٹکڑے ٹکڑے پہاڑ پر برسنے والی بارش جیسا خیال
ایسی جگہ جہاں نہ تو کوئی فاتح ہوگا،
نہ طاقت، نہ انصاف، نہ مفرور

...

ایک دن میں ہو جاؤں گا وہ، جو ہونا چاہتا ہوں

...

ایک دن میں ایک پرندہ بن جاؤں گا
اور عدم سے چھین لوں گا اپنا وجود
جیسے جیسے جلیں گے میرے پر
ویسے ویسے پہنچوں گا سچائی کے اور قریب اور جی اٹھوں گا راکھ سے
جسم اور روح کو مسترد کرنے کے بعد
میں ہوں خواب دیکھنے والوں کا مکالمہ
اپنے پہلے سفر کو اس کی جانب جاری رکھنے کے لیے
جو مجھے نذرِ آتش اور معدوم کرتا ہے:
معنی کی سمت اپنے پہلے سفر میں۔ میں ہوں غیر حاضری
اور آسمانی مفرور

...

ایک دن میں ہو جاؤں گا وہ، جو ہونا چاہتا ہوں

...

ایک دن میں بن جاؤں گا شاعر
میرے تصور کا دست نگر ہو گا پانی
میری زبان استعاروں کا استعارہ ہو گی
میں نہ تو بولوں گا نہ اشارہ کروں گا کسی طرف
مقام ہے میرا گناہ اور حیلہ
میں آیا ہوں وہاں سے
اور میرے 'یہاں' کی چھلانگ ہے میرے قدموں سے میرے تخیل تک
میں ہوں جو میں تھا اور جو میں ہوں گا۔ مسلسل پھیلتے خلا کا پیدا اور تباہ کیا ہوا
ایک دن میں ہو جاؤں گا وہ، جو میں چاہتا ہوں

...

ایک دن میں انگور کی بیل بن جاؤں گا
آج کے بعد چاہے گرما مجھے کچلے
اس شیریں مقام کے فانوسوں تلے
پینے دو میری وائن گذرنے والوں کو
میں ہوں پیغام اور میں ہی ہوں پیغمبر
میں ہی ہوں مختصر ترین پتا اور میں ہی ہوں خط

...

ایک دن میں بن جاؤں گا جو میں چاہتا ہوں

...

یہ ہے تمہارا نام،
عورت نے کہا

اور راہ داری کی سفیدی میں غائب ہو گئی

یہ ہے تمھارا نام، اچھی طرح یاد کر لو

اس کے ہجوں پر اختلاف مت کرو

لپیٹ لو قبائلی پرچموں کو

اپنے افقی نام سے دوستی دکھاؤ

آزماؤ اسے موجودوں اور رفتگاں میں

اجنبیوں کے درمیان مشق کرو اس کے صحیح تلفظ کی

لکھو اسے کسی غار کی پتھریلی دیوار پر

اے میرے نام: تُو بڑھے گا جیسے جیسے بڑھوں گا میں

تو مجھے اور میں تجھے لے کر چلوں گا

اجنبی کا بھائی ہوتا ہے اجنبی

بانسریوں کے لیے وقف

حرفِ علت کے ساتھ ہم عورت کو رجھائیں گے

میرے نام، کہاں ہیں اب ہم بتا؟

کس وقت میں؟

کس مقام پر؟

کیا ہے قدیم اور کیا ہے جدید؟

...

آئے گا دن جب ہم بن جائیں گے جو ہم بننا چاہتے ہیں؟

...

سفر شروع نہیں ہوا، راستہ ختم نہیں ہوا

دانشور اپنی جلاوطنی کو نہیں پہنچے

نہ ہی جلاوطنوں کو حاصل ہوئی ہے دانش تک رسائی

پھولوں میں بھی ہم صرف شقائق البحر کو ہی جانتے ہیں

تو آؤ چلیں سب سے بڑی میورلوں کے اوپر

نظموں کی سرسبز زمین پر اعلاتر ہے میری نظم

نظم کی زمین طلوعِ فجر کے وقت خدا کا کلام ہے

اور میں ہوں دور

بہت دور

...

ہر ہوا میں ایک عورت اپنے شاعر کو ناز و ادا دکھاتی ہے

-مجھے میری نسائیت دو اور لے جاؤ

یہ بکھری ہوئی وسعت جو تم نے دی تھی تحفے میں

کچھ نہیں میرے پاس جھیل میں جھریوں بھرے مراقبے کے سوا

لے لو میرا مستقبل اور دے دو مجھے میرا ماضی

لیکن رہنے دو ہمیں ساتھ

نہ تو کوئی جائے گا اور نہ ہی کوئی آئے گا

تمھارے بعد

...

اور چاہو تو لے جاؤ یہ نظم بھی

کچھ نہیں میرے لیے اس میں تمھارے سوا

لے جاؤ اپنی 'میں'

کاٹ لوں گا میں اپنی جلاوطنی تمھاری لکھاوٹ میں

دے دینا اسے جنگلی فاختاؤں کو لے جانے کے لیے

کون ہے ہمارے درمیان 'میں'؟

'میں' کے لیے ہے یہ اُس کا اختتام

لکھنے اور بولنے کے درمیان گرے گا ایک ستارہ

یادداشت ہماری سوچوں کو پھیلا دیتی ہے

انجیروں اور ناگ پھنیوں کے درمیان

ہم تلوار اور بانسری کے زمانے میں پیدا ہوتے ہیں

بہت ہی سست اور واضح تھی موت

جو دریا کے دہانے سے قریب تھے

ان کے درمیان معاہدہ تھی، موت

لیکن اب ایک بٹن کے دبتے ہی ہو جاتی ہے خودکار

مقتول کی نہیں سنتا، کوئی قاتل

کوئی شہید نہیں پڑھتا شہید کی وصیت

...

تمھیں کون سی ہوا لائی ہے، یہاں؟

مجھے اپنے زخم کا نام بتاؤ

اور میں ان سڑکوں کے بارے میں جان لوں گا

جہاں ہم ہو سکتے ہیں ایک بار پھر لاپتا

تمھارے اندر ہر ضرب مجھے ایک شاندار وقت میں پلٹاتی

اور درد پہنچاتی ہے

تکلیف دیتا ہے مجھے خود میرا اپنا خون،

اس میں ہے اتنا نمک جتنی ہیں وریدیں

...

ٹوٹی ہوئی دودستہ صراحی میں شامی ساحل کی عورتیں

لامتناہی پگڈنڈیوں پر ماتم کرتی

اور اگست کے سورج میں جلتی ہیں

اپنی پیدائش سے پہلے

میں نے انھیں چشمے کو جاتی پگڈنڈی پر دیکھا

میں نے ان کے برتنوں میں پانی کو اُن پر روتے سنا:

آئے گا خلیق وقت جب تم بادلوں کو پلٹو گی

...

بازگشت کہتی ہے:

صرف غاصبوں کے ماضی لوٹیں گے

وسیع چوکور مینار کو پھلانگتے

سونے کے ہیں ان کے کھنڈرات

ان میں سے کم ہی فردا سے کہتے ہیں:

دے دو ہمیں یہ دن

ہماری روزانہ کی روٹی

اور قابلِ برداشت بنا دو ہمارا حال

...

میری ناقابلِ علاج امید سے ماندہ

اور جمالیات کے دلائل سے تھکی

بازگشت پوچھتی ہے:

کس کی باری ہے بابل کے بعد؟

ہر بار خالی ہوجاتا ہے جنت کا راستہ

ہر بار جب نامعلوم مخصوص اختتام کا انکشاف کرتا ہے
گیت شکستہ ہو جاتے ہیں

...

بلند اور سبز ہے میری نظم کی زمین...
دعائیں گل سڑ کر نثر بن جاتی ہیں
میری پاتال کی گہرائی کو نظر انداز کرتی
کتنی عجیب ہے تمھاری معنویت
صرف وہاں ہونے سے، تم بذاتِ خود ایک قبیلہ بن جاتی ہو...

میں صرف فاختہ کے سوگ کی موسیقی کے سروں کے درمیان
توازن کے لیے گاتا ہوں
انسان سے خدا کے کلام کی تشریح کے لیے
میں وحی کا دعویدار کوئی پیغمبر نہیں
نہ کہتا ہوں کہ میری پاتال جنت بن چکی ہے
اپنی زبان کی پوری قوت کے باوجود میں ہوں اجنبی
اگر میں اپنے احساسات کو حرف 'ضواذ' کے ساتھ قابو میں رکھوں
تو میرے احساسات مجھے قابو میں رکھیں گے حرف 'یائے' کے ساتھ۔
دور، الفاظ ایک ایسی زمین پر رہتے ہیں
جو ایک اونچے ستارے کے گرد گردش کرتی ہے
جب الفاظ اتنے قریب ہیں
تو وہ جلاوطنی کے حق دار ہیں
ایک کتاب کافی نہیں یہ کہنے کے لیے:

میں نے خود کو مکمل غیر حاضری میں حاضر پایا
ہر بار جب میں نے خود کو تلاش کیا دوسروں کو پایا
اور جب میں نے انھیں تلاش کیا تو مجھے دکھائی دیا صرف اپنا اجنبی وجود
کیا میں اکیلا ہی ہوں ہجوموں کا ہجوم؟

...

میں جاننا چاہتا ہوں
کون سی کہکشاں ہے میری محبوبہ کی سمت
تھک گیا ہوں ادھر سے اُدھر پھرتا
تھک گئی ہیں میری سطحی خصوصیات
لفظ سکڑ رہے ہیں لیکن پھیل رہے ہیں اُن کے معنی
میں اپنے لفظ کے کناروں پر سیلاب ہوں
آئینے میں خود کو دیکھتا ہوں:
کیا میں ہوں وہ؟
کیا آخری منظر میں اچھی طرح ادا کروں گا
اپنا کردار؟
کیا میں پہلے سے جانتا ہوں کھیل کو
یا مسلط کیا گیا ہے یہ مجھ پر؟
کیا میں ہی ہوں جو کر رہا ہوں کردار
یا معتوب نے تبدیل کر دیا ہے اپنا حلفی بیان؟
جیسے مابعدالجدیدیت میں شامل ہونے کے لیے
مصنف اصل متن کے سیاق و سباق سے منحرف ہو جاتا ہے
جب دکھائی نہیں دیتے اداکار اور ناظرین

...

دروازے کے پیچھے بیٹھا میں حیران ہوتا ہوں:
کیا یہ میں ہوں؟

یہ ہے میری زبان، یہ آواز ہے میرے خون میں اٹھتی ٹیس
لیکن مصنف ہے کوئی اور...
میں نہیں ہوں وہ جو باہر نہیں آیا
میں نہیں ہوں وہ جس کا تلفظ کم کیا گیا
مبہم حروف مجھ پر منکشف کرتے ہیں:
لکھو مت

پڑھو اور تلاش کرو
اگر تم بولنا چاہتے ہو تو بولو
لازماً تمھیں کچھ کرنا ہوگا...
اس طرح تمھارا مقابل زوج ایک ہو جاتا ہے معنی میں
تمھارے اندر شفاف ترین ہے تمھاری نظم

...

ملاح مجھے گھیرے ہیں
یہاں تو کوئی بندرگاہ نہیں ہے
جھوٹی شان کھا گئی میرا نازک ترین محاورہ
اور انتہائی راست لفظ
میں اپنی درمیانی حیثیت کے مطابق
شناخت کا وقت ہی نہیں نکال سکا
دھندلی مماثلت کے بارے اب تک نہیں پوچھا تھا

میں نے آمد و رفت کے درمیان
نہیں تلاش کر سکا دو دروازوں پر
آمد اور رفت کے الفاظ
زندگی کا پیچھا کرنے کے لیے میں موت کو نہیں ڈھونڈ سکا
مجھے چیخنے کے لیے آواز نہیں مل سکی
وقت! تُو لے آیا ہے مجھے بہت دور
تو نے ہی کیا میرا دفاع مبہم خطوط سے
مطلقاً خیالی ہے حقیقت

...

وقت، اس کا انتظار نہیں کرتا
جو پیدائش کے لیے وقت کا انتظار کرتا ہے
ہمارے ماضی کو نوزائیدہ رکھ
ہمارے پاس صرف یہی ہے تیری یادداشت
وہ دن کہ جب ہم تیری رتھوں کے معتوب نہیں
دوست تھے
رہنے دے ماضی جیسا بھی ہے
نہ تو رہنمائی کرنے اور نہ ہی لینے والا

...

میں نے دیکھا ہے وہ سب
جسے یاد رکھتے اور بھول جاتے ہیں مرنے والے
وقت بڑا ہوتا جاتا ہے لیکن وہ بڑے نہیں ہوتے
نہ تو وہ محسوس کرتے ہیں اپنی زندگی

نہ ہی انھیں احساس ہوتا ہے ہماری موت کا
نہ اس بات کا کہ میں کیا تھا اور کیا ہوں گا
یہ ہے ذاتی ضمائر کی افراتفری
وہ ہے 'میں' میں، وہ ہے 'تم' میں
نہ تو مزید کُل اور نہ ہی مزید جُو
کوئی زندہ نہیں جو کسی مرے ہوئے سے کہے: وہ میں

...

عناصر اور احساسات تحلیل ہوتے ہیں
نہیں ہے وہاں میرا جسم
نہ تو محسوس ہوتی ہے مجھے موت کی طاقت
اور نہ ہی اپنی پہلی زندگی
جیسے کہ میں تھا کوئی اور
کون ہوں میں؟
کوئی مردہ یا نوزائیدہ؟

...

صفر ہے وقت
جب موت مجھے دھند میں لے گئی
میں پیدائش کا نہیں سوچ رہا تھا
اُس کے لیے نہ تو میں زندہ تھا اور نہ مردہ
وہاں، جہاں نہ تو تھا وجد اور نہ عدم

...

بے ہوشی کا انجکشن لگاتے ہوئے نرس کہتی ہے:

تحمل سے کام لو، تم اب بہتر ہو
جلد ہی تم اُس خواب میں ہو گے
جس کے تم اہل ہو...

...

جیل میں اپنی کوٹھڑی کھولتے دیکھا
میں نے اپنے فرانسیسی طبیب کو
اُس کے ساتھ تھے دو مقامی پولیس اہلکار
اُس نے مجھ پر ڈنڈے برسائے

...

میں نے اپنے باپ کو
حج سے لوٹتے دیکھا
وہ حجازی سورج اور لُو سے نڈھال
فرشتوں کی ایک قطار سے فریادی تھا:
بجھاؤ، بجھاؤ اس آگ کو...!

...

میں نے ایک مراکشی نوجوان کو
فٹ بال کھیلتے
اور خود پر پتھر برساتے دیکھا
اپنا وعدہ نبھاؤ
ہماری ماں کو چھوڑ دو
ابّا! کون ہٹ گیا ہے قبرستان کے رستے سے

...

دیکھتا ہوں دو میٹر کے فاصلے پر
بیٹھا ہے ہیڈیگر کے ساتھ، رینے شار
وہ پی رہے تھے
شاعری سے لاتعلق...
روشنی تھی ان کی گفتگو میں
ایک نامعلوم فرد اکر چکا تھا ان کا انتظار

...

میں نے اپنے تین دوستوں کو دیکھا
وہ رو رہے تھے اور
سنہری دھاگے سے کڑھا
میرا کفن لہرا رہے تھے

...

میں نے المعری کو دیکھا
وہ اپنی نظموں کے قریب آنے والے
نقادوں کا پیچھا کر رہا تھا
اور چلا رہا تھا:
جو تمھیں دکھائی دیتا ہے، میں اس سے اندھا ہوں
بصیرت ایک روشنی ہے
جس کی منزل عدم ہے... یا جنون

...

میں نے دیکھا صبح کی بانہیں پھیلائے ملک
مجھے گلے لگا رہے ہیں

وہ کہتے ہیں: بن جاؤ
روٹی اور گرمیوں کے پھولوں کی مہک کے مستحق
مٹی سے بنے اپنی ماں کے تنور سے
نکلتی روٹی سے گرم
ہمارا خیر مقدم

...

سبز ہے، سبز ہے میری نظم کی سرزمین،
اور میری بہن! تتلی سے سرگوشی کے لیے کافی ہے واحد دریا
کافی ہے ایک دریا قدیم اساطیر کو للچانے کے لیے
کہ وہ باز کے پروں پر سوار ہوں
عین اس وقت
جب وہ دور دراز چوٹیوں پر پرچم تبدیل کرے
کوئی قوم اتنی ہی عظیم ہوتی ہے
جتنی عظیم ہوتی ہے اُس کی نظم
لیکن مُردوں اور زندوں کے لیے ہتھیار
لفظوں کے معنی کی توسیع کرتے ہیں
حروف اُس تلوار کو آب دیتے ہیں
جو صبح کی کمر سے لٹکتی ہے اور صحرا
اپنے نغموں کے ذریعے پھیلتا اور سمٹتا ہے

...

ناکافی ہے میرا وقت
اپنی انتہا کو ابتدا سے جوڑنے کے لیے

چرواہے میری کہانی لے گئے

اور کھنڈرات کے حسن کے رستے

تیزی سے سبزہ زاروں میں داخل ہو گئے

اپنے طربیوں اور نفیریوں سے وہ فراموشی پر چھا گئے

وہ مجھے یاد کے کانٹوں میں چھوڑ کر الگ راستے پر چل دیے

اور پھر کبھی نہیں لوٹے

...

ہمارے دن تھے قبیلوں اور شہروں کے درمیان بھٹکتے خانہ بدوش

میں رات میں تمھارے ہودے اور تخت نما سراب کو تلاش نہیں کر پاتا تھا

اور تو نے بتایا: کس کام کا ہے میرا نام تمھارے بغیر؟

تو نے مجھے میرا نام دیا اور کہا:

مجھے پکار، میں نے تجھے پیدا کیا، تجھے نام دیا

میں نے تجھے پکارا اور تو نے مجھے قتل کر دیا...

کیسے تو نے مجھے قتل کیا؟

مجھے۔ رات کے اجنبی کو؟

میں جاننا چاہتا ہوں کیسے لے گئی مجھے یہ رات

مجھے لے گئی ان جنگلوں میں جو تمھاری خواہشوں کی تکمیل کرتے ہیں

گلے لگاؤ، مجھے اپنا قرب دو

خالص شہد کو چھتے پر پھیلا دو

اور مجھے سمیٹنے کے لیے

پھیلا دو اپنے طوفان کو سارے غیض و غضب کو

اجنبی! رات اپنی روح تم پر نچھاور کرتی ہے

ستارے دیکھیں گے کہ میرے بھائی
لاجوردی نیلے پانیوں کے ساتھ میری زندگی ختم کریں گے
اپنے ہی ہاتھوں اپنا پیالہ توڑنے کے بعد
میرا ہی ہونا چاہیے یہ پُر مسرت تحفہ

...

کیا تو نے کچھ ایسا کہا
جو میرا رخ بدلنے کا سبب بن جائے؟
نہیں، میری زندگی وہاں تھی، میرے باہر
میں ہوں وہی جو خود کلامی کرتا ہے
میری تازہ ترین نظم تاڑ سے گری
اور شنویتوں کی محصور ہو گئی
میں اپنی داخلیت کا مسافر ہوں
لیکن زندگی ابہام اور اپنی چڑیوں کی مستحق ہے

میں یہ جاننے کے لیے پیدا نہیں ہوا تھا کہ مروں گا
بل کہ اس لیے کہ مجھے خدا کے سایوں کے
انتہائے بطون سے محبت ہے
جمال مجھے جمیل تک لے جاتا ہے
مجھے اپنے جوہر اور خصوصیات سے آزاد تمھاری محبت سے محبت ہے
میں ہوں خود اپنا ہم زاد

...

میں ہوں وہی جو خود کلامی کرتا ہے

چھوٹی چھوٹی چیزوں سے آتے ہیں عظیم تصورات
آہنگ سے نہیں ہوتی لفظوں کی تخلیق
لیکن طویل رات میں
ایک ہو جاتے ہیں دو جسم

...

میں ہوں وہی جو خود کلامی کرتا ہے اور یادداشت کو سدھاتا ہوں
کیا تم ہو 'میں'؟
اور ہم میں سے تیسرا تمھارے اور میرے درمیان پرواز کرتا ہے
اے موت! مجھے کبھی نہ بھولنا
ہمیں وہ راستا دکھا جو تیری طرف جاتا ہو
تاکہ ہم روشنی کو جان سکیں
وہاں نہ تو ہے کوئی سورج اور نہ ہی کوئی چاند
جو میرے جسم کو منور کرے
میں نے اپنا سایہ
عروس بیل کی ایک شاخ پر لٹکا چھوڑ دیا
اور وہ جگہ لطیف ہو گئی
اور میرے ساتھ ہی کہیں دور پرواز کر گئی
میری آوارہ روح

...

میں ہوں وہی جو خود کلامی کرتا ہے
اے لڑکی: خواہش نے تیرے ساتھ کیا کیا؟
ہوا ہمیں مصفا کرتی ہے

اور موسمِ گرما کی خوشبو کی طرح لے جاتی ہے
اے میری چھڑی، میری عورت، تم اب سمجھ دار ہو چکی ہو
اب تم کسی وحی کے شک کے بغیر دمشق کے راستے پر جا سکتی ہو
باقی کی عمر میں ہم دو سر پرست فرشتے ہوں گے
اور پرواز کرتی دو فاختائیں
لیکن زمین تو ضیافت ہے

...

زمین شکست خوردوں کی ضیافت ہے (اور ہم ان میں شامل ہیں)
ہمیں اس مقام پر
ایک عظیم شاعر کے رزمیے کی بازگشت کی طرح چھوڑ دیا گیا ہے
اور ایک بوڑھے باز کے پروں کی طرح
ہمارے خیمے ہوا کے ساتھ اُڑ گئے ہیں
عیسیٰ کی تعلیمات کے بغیر بھی
ہم رحم دل اور ایثار کوش تھے
سوائے گرما کے اختتام کے ہم ہر موسم میں
کسی بھی پودے سے زیادہ مضبوط نہیں تھے
تم ہو میری حقیقت اور میں ہوں تمھارا سوال
ہمیں اپنی وراثت میں ناموں کے سوا کچھ نہیں ملا
تم میرا باغ ہو اور میں تمھارا سایا
ایک رزمیہ حمد کے اختتامی حصے میں...
ہم نے دیویوں کے منصوبوں میں کبھی انھیں شریک نہیں کیا جو
اپنے عبادتی گیتوں کی ابتدا جادو ٹونوں سے کرتے ہیں

وہ ایک مقام کو اس کے زمانے سے کسی اور زمانے میں لے جانے کے لیے
پہاڑی بکریوں کے سینگوں کو استعمال کرتے ہیں

...

ہم کہیں بہتر ہوتے اگر ہمارے آسمانوں کے ستارے
ہمارے کنوؤں کے پتھروں سے اونچے نہ ہوتے اور
ہمارے نبی کم بلند ہوتے کہ فوجی
ہمارے ثنائی گیتوں کو اتنے قریب سے نہیں سنیں گے

...

سبز ہے، سبز اور زرخیز ہے میری نظم کی زمین
نسل در نسل گیت نگاروں کی محبوبہ
اپنی نظم سے مجھ تک پہنچتی ایک نرگس
پانی میں اپنے عکس
اپنے مترادفات کے سایوں کی واضح
یک معنویت پر حیراں...
رات کی چھت پر
مجھے اس سے ملی نبیوں کے لفظوں کی پسندیدگی
اسی سے مجھے ملا ایک پہاڑی پر ایک دانش منداور فراموش گدھا
جو حقیقت وخرافات دونوں کا مذاق اڑا رہا تھا
اسی نے پہنچایا مجھے علامت کے شدید تضادات تک
دوسرا جنم بھی اُسے یادداشت سے واپس نہیں لایا
اور تجرید بھی اُسے عظیم روشنی تک بلند نہیں کر سکی
میں نے اُس سے پائی ایک اور 'میں'

شاعر کے روزنامچے میں اپنے روزمرہ کو لکھتے ہوئے:
اگر یہ خواب کافی نہ ہوا تو مجھے
جلاوطنی کے دروازے کی نگرانی جاری رکھنی چاہیے
اسی سے دکھائی دی مجھے اپنی زبان کی بازگشت
دیواروں پر سے سمندری نمک کو کھرچتی
جب مجھے دھوکا دے رہا تھا تُند خُو دل...

...

الاغوار سے بلند ہے میری دانش
میں نے شیطان سے کہا: نہیں مجھ پر اپنے فتنے مسلط مت کر
مجھے ثنویّتوں میں کنارے مت لگا
رہنے دے مجھے جیسا بھی ہوں
کوئی دلچسپی نہیں مجھے عہدِ قدیم کی روایات سے
جانے دے مجھے آسمان کی طرف، جہاں ہے میری سلطنت
لے لو ہماری تاریخ، میرے باپ کے بیٹے
لے لو ہماری تاریخ اور کرو پوری آزادی سے
جو بھی تمھارا دل چاہے

...

مجھے امن وسکون دیا گیا
کافی ہے میری نمو کے لیے گندم کا ادنیٰ دانہ
اور میرے دشمن بھائی
نہیں آیا ابھی میرا وقت
نہیں آیا ابھی فصل کا وقت

مجھے پہلی نیند میں داخل ہونا ہوگا

مجھے اپنے دل پر یقین کرنا ہوگا

اور پیچھے چلنا ہوگا قانا اور الجلیل تک

نہیں آیا ابھی میرا وقت

شاید میرے اندر ہی ہے کچھ جو مجھے پھینک رہا ہے دور

شاید میں ہوں کوئی غیر

ابھی پکی نہیں انجیریں، خوبصورت لباسوں میں ملبوس لڑکیوں کے ساتھ

ققنس نے ابھی مجھے جنم نہیں دیا

وہاں کسی کو نہیں انتظار

آتا ہوں میں وقت سے پہلے اور وقت کے بعد

لیکن کوئی نہیں ہے جسے اپنے چشم دید کا شریک کروں

اور کوئی نہیں ہے جو میرے دیکھے پر یقین کرے

اور میں ہوں اپنا دیکھا

میں نے دیکھا اور میں بھاگا

میں بھاگا

اے میری ذات، کون ہوں میں؟

...

سڑک پر ہم دو ہیں

اور روزِ حشر ہم ہیں ایک

لے چلو مجھے فانی روشنی میں

تاکہ میں خود اپنے دوسرے میں اپنا ہونا دیکھ سکوں

اے میرے میں! کیا ہوں گا تیرے بعد؟

کہاں ہے میرا جسم میرے پیچھے یا تمہارے پیچھے؟
اور تم! کون ہوں میں؟
مجھے تخلیق کر جیسے میں نے کیا ہے تجھے
بادام کے تیل پر میرے لیے دعا کر
اور دیودار کے ساتھ میرے سر کو بلند کر
لے چل مجھے اس وادی سے دور
سفید ابدیت کی طرف
مدد کر کہ لافانیت کی ناقابلِ برداشت اکتاہٹ برداشت کر سکوں
رحم دلی سے کام لو
جب تم میرے خون سے گلابوں پر بہار لاؤ

...

ابھی نہیں آیا ہمارا وقت
پہلی بار نہیں
کہ رسل نے گھاس سے وقت کی پیمائش کی ہے
کیا پہنچ چکا ہے وقت کسی اختتام پر؟
فرشتے بھی نہیں اتر رہے
کہ ماضی کو ترک کرنے
اور شفق میں چھوڑنے کے لیے
ہمارے شاعروں کی تب مدد کریں
جب وہ اپنے ہاتھوں اپنی ماضی کو کوئی شکل دے رہے ہوں
عناۃ! میری پیاری دیوی، گا
گا میری نئی پیدائش پر میری پہلی نظم

ہو سکتا ہے راوی پر
خزاں کے ایک پتھر میں
بید مجنوں کی پیدائش منکشف ہو جائے
ہو سکتا ہے کوئی چرواہا
کسی گیت کے دل میں ایک کنواں دریافت کر لے
ہو سکتا ہے ان کے لیے نغمے پر پرواز کرتی تتلی کے پروں پر
زندگی اچانک کھل جائے
جنھیں معنی سے کوئی غرض نہیں
اس لیے گا، میری عزیز دیوی: عناۃ
میں ہوں تیر اور میں ہی ہوں شکار
میں ہی مرثیہ نگار، میں ہی ہوں پرستار، میں ہی ہوں مؤذن
اور میں ہی ہوں شہید

...

میں کبھی کھنڈرات کو وداع نہیں کہوں گا
صرف ایک بار میں ہوا ہوں جو میں تھا
لیکن یہ جاننے کے لیے کافی تھا
کیسے وقت منہدم ہوتا ہے
ایک بدو کے خیمے کی طرح شمالی ہواؤں میں
کیسے ہوتے ہیں مقامات علاحدہ اور کیسے
ماضی کسی ویران مندر کا سایہ بن جاتا ہے
چاروں اور ہر شے مجھ سے مشابہ ہے
لیکن ایک میں ہوں جس کے پاس کوئی مشابہت نہیں

جیسے کہ کوئی جگہ نہ ہو زمین پر
قابلِ رحم بیمار گیت نگاروں اور شیاطین کی اولادوں کے لیے
جو خواب بھی دیکھتے ہیں تو ان کے خوب صورت خواب
تمام سرحدوں کی خلاف ورزی کرتے ہیں
اور اپنی محبت بھری شاعری طوطوں کو پڑھاتے ہیں...

...

میں زندہ رہنا چاہتا ہوں...
مجھے بہت کچھ کرنا ہے جہاز پر سوار ہونے کے لیے
پرندے کو اپنی بھوک یا سمندر زدگی سے بچانے کا نہیں
بل کہ سیلاب کا چشم دید ہونے کے لیے
اور کیا ہوگا اُس کے بعد؟
کیا ایک بار پھر دہرائی جائے گی کہانی؟
کیا تھی ابتدا اور کیا تھا انجام؟
کوئی نہیں لوٹتا
یہ بتانے کے لیے کہ کیا تھی سچائی
موت، میرا انتظار کر
اس زمین سے باہر
تیرے خیمے کا اختتام التوا میں ہے، میرا انتظار کر
میری زندگی کا جو رہ گیا ہے میں اُسے کہنا چاہتا ہوں چند الفاظ
میں سپردگی کی تمام دعائیں پڑھنا چاہتا ہوں، مجھے وقت دو
وجودی مجھے ہر لحہ جینے پر اکساتے ہیں
آزادی، انصاف اور شرب کے دیوتاؤں کے ساتھ...

موت مجھے صرف میرے جنازے کے انتظامات کا وقت دیتی ہے
اس نئے موسمِ بہار کی تیز روی میں مجھے کچھ وقت دو
میں بہار میں پیدا ہوا کہ خطیبوں کو
وقت اور اس کی افواج کی مخالفت کے باوجود
اداس ملک اور انجیر و زیتون کی درختوں کے صبر کے بارے میں
رٹی رٹائی تقریریں دہرانے سے روک سکوں
میں کہوں گا: مجھے حرف نون کی چھلانگ میں گرنے دو
جہاں میری روح کو قرآن کی سورہ الرحمٰن سے پاک کیا جائے گا
اور پھر وہ میرے ساتھ
بانسری کے سروں کی بازگشت سے ہم آہنگ کیے گئے
میرے آبا واجداد کے نقشِ قدم پر
وقت سے ماورا وقت میں چلے گی
بنفشہ گلِ مایوسی ہے
یہ محبتوں کی بے وقت موت مرنے والوں کی یاد دلاتا ہے
تو میری قبر پر بنفشے کے پھول مت لانا
اگر مل جائیں تو چند گلِ لالہ
اور گندم کی سات بالیاں بہت ہوں گی
نہیں تو، گلابوں کو گرجا گھروں
اور نو بیاہتا جوڑوں کے لیے چھوڑ دینا
موت ذرا رک، میں سمیٹ لوں سامان:
دانتوں کا برش، صابن، شیونگ مشین، کلون اور دو جوڑی کپڑے
کیسا ہے وہاں کا موسم: معتدل؟

کیا سفید ابدیت میں بھی موسم بدلتا رہتا ہے؟
یا ایک ہی رہتا ہے سرما ہو یا خزاں؟
کیا ایک ہی کتاب کافی رہے گی
اُس لاوقت کو کاٹنے کے لیے
یا درکار ہو گی ایک لائبریری؟
کون سی زبان بولی جاتی ہے وہاں؟
عام بول چال کی یا وہاں بھی ہے فصیح کا جھگڑا؟
...
... اے موت، اے موت ذرا ٹھہر
شکاریوں کے بھی کچھ اصول ہوتے ہیں
وہ بھی چشموں پر پانی پیتے ہرنوں کو شکار نہیں کرتے
رک کہ میرا دماغ موسمِ بہار کی سی تازگی بحال کر لے
رک، صرف اتنی دیر کہ ہمارے تعلقات
دوستانہ اور بے تکلفانہ ہو جائیں
تمھی میری زندگی کی مالک ہو
ہر چند کہ اسے بھرپور بسر کیا گیا ہے
اس کے بدلے میں مجھے سیاروں پر غور کر لینے دو
کوئی بھی کبھی آخری موت نہیں مرتا
روحوں کے لیے ہے یہ صرف ہیئت اور مسکن کی تبدیلی
موت، اے میرے سائے، میرے رہنما، اے میرے ضمیر غائب
زمردی اور فیروزی میں متلون رنگوں کی تکرار
او مور کے خون

بھیڑیے کے دل کی دیدبان

اے مرض الخیال، آ بیٹھ

شکار کا سامان میری کھڑکی کے نیچے رکھ دے

اور چابیوں کا بھاری اپنا یہ گچھا دروازے پر لٹکا دے

اے طاقتور کسی سنگین کمزوری کی تلاش میں میری رگوں میں مت داخل ہو

تو میری سانسوں سے زیادہ طاقتور ہے

دواؤں سے بھی زیادہ طاقتور

اور خالص شہد سے بھی زیادہ طاقت ور

مجھے قتل کرنے کے لیے تو کسی مرض کی محتاج نہیں

اس لیے حشرات سے زیادہ اعلا ظرفی دکھا

خود کو شفاف بنا، غیب کا ایک واضح پیغام

اور محبت کی طرح، درختوں کے درمیان ایک غضب ناک طوفان بن جا

بھکاریوں اور ٹیکس وصول کرنے والوں کی طرح

دوراز ہ مت پکڑ

سڑک پر ٹریفک کا سپاہی

بھی مت بن

اچھے فولاد کی طرح

طاقتور بن

اور اتار پھینک

یہ لومڑیوں والا نقاب

پُرشکوہ بن

بہادر بن

اور اپنے

فانی حملے شروع کر

کہو جو بھی کہنا چاہو:

میں معنی کے معنی سے

ابھر کر سامنے آؤں گا

زندگی سیال ہے

میں اسے کشید کر لوں گا

میں اسے اپنے تسلط اور اقدام سے ملواؤں گا

موت ذرا انتظار

ذرا یہاں بیٹھ

ایک گلاس وائین پی

لیکن مجھ سے بحث مت کر

تجھ ایسے کسی کو بھی

فانی وجودوں سے بحث نہیں کرنی چاہیے

جہاں تک میرا تعلق ہے

میں غیب کے کارندوں کے

آڑے نہیں آؤں گا

ذرا دم لے

شاید تو آج بہت تھک گئی ہے

ستاروں کے درمیان جنگوں کے دن گئے

کون ہوں میں

جو تم آئی ہو میرے پاس؟

کیا تمھارے پاس اتنا وقت تھا
کہ تم میری نظم پر غور کر سکتیں؟
اوہ، شاید یہ تمھارا مسئلہ نہیں
تمھارا تعلق
صرف انسان کے دنیاوی جسم سے ہے
اُس کے الفاظ اور اعمال سے نہیں
موت!
تمام فنون نے تجھے شکست دی ہے
میسوپٹومیا کے نغمات
مصری اہرام
فراعین کے مقبرے
اور معبدوں کے پتھروں پر کی گئی
نقاشی
سب نے تجھے شکست دی
سب فاتح ہوئے
تم لافانیوں کو اپنے جال میں نہیں پھانس سکتیں
اس لیے کر لے جو کرنا ہے

...

میں زندہ رہنا چاہتا ہوں
مجھے کچھ کام مکمل کرنے ہیں
آتش فشان کے جغرافیے میں
ایامِ لوط سے قیامتِ ہیروشیما

اور تباہی کے تباہی میں جی اٹھنے تک

نامعلوم کی ہوس میں جلتے ہوئے

میں رہنا چاہتا ہوں یہاں جیسے تا ابد ہوں

ہوسکتا ہے کہ 'اب' ہو بہت دور

ہوسکتا ہے دیروز ہو قریب تر

اور فردا بن چکا ہو ماضی

لیکن میں 'اب' کا ہاتھ پکڑ لیتا ہوں

شاید کہ تاریخ میرے قریب سے گذرے

لیکن وقت نہیں جو دائروں میں گردش کرتا ہے

جیسے پہاڑوں پر افراتفری کی شکار بکریاں ہوں

کیا میں کل کے برقی وقت کی رفتار میں

زندہ رہ سکوں گا

کیا میں رہ سکوں گا زندہ

اپنے صحرائی قافلے کی تاخیر میں

مجھے بعد از حیات کے لیے کچھ کام کرنے ہیں

ایسے جیسے کہ میں نہیں رہوں گا کل زندہ

لہٰذا میں ٹکڑا ٹکڑا سنتا ہوں

اپنے دل میں چیونٹیوں کی آواز

مجھے اپنے تحمل کے بوجھ کو سہارنے میں مدد دے.

یہاں تک کہ میں سنتا ہوں اسیر پتھر کی ہانپتی ہوئی چیخ:

مجھے آزاد کر

وائلن بجتا ہے تو دکھائی دیتی ہیں

ارضی سے سماوی ملک کو نقل مکانی کرتی خواہشیں

عزیزم میں ابدیت کو

ایک عورت کی ہتھیلی میں رکھتا ہوں

سب سے پہلے پیدا کیا گیا مجھے

اور پھر کچھ ہی دیر میں ہو گیا میں محبت میں گرفتار

تبھی ہوئی مجھے موت سے اکتاہٹ

اُسی کے بعد

میں نے کھولیں اپنی آنکھیں قبر میں

اور دیکھا کہ وقتاً فوقتاً

اُگ رہی ہے مجھ پر گھاس

کیا فائدہ بہار کا

اگر مرنے والوں کے لیے مسرت نہیں لاتی

اگر زندگی کی واپسی کو ممکن نہیں بناتی

اور اگر وہ زندگی کے بعد فراموشی کے پھول نہیں کھلاتی

تو پھر کیا فائدہ بہار کا؟

شاعری کے معمے کو حل کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہو سکتا ہے

کم از کم میری نازک شاعری کے معمے کو حل کرنے کا

خواب ہمارا واحد کلام ہیں

اے موت! اے الجھن! تاریکی میں جا،

میرے دنوں کے بلور سے تک کر دراز ہو

اگر تم میرے دیرینہ دوستوں میں ایک ہوتیں

جیسے ہے اشیا کے درمیان میری جلاوطنی

اور خود تیری اپنی جلاوطنی

اپنی زندگی پر مت جا

تیری زندگی میری موت ہے

نہ تو جی اور نہ ہی مر

جب دودھ، دودھ کا پیاسا ہوتا ہے

تو بچوں کو اغوا کر لیتی ہے تو

تو کبھی وہ شیر خوار نہیں رہی جس کے پالنے کو

چڑیاں جھلاتی ہیں

بارہ سنگھے اور فرشتے تجھ سے کبھی ویسے لطف اندوز نہیں ہوئے ہوں گے

جیسے وہ ہوتے ہیں ہم سے

تتلیوں کے رفیقوں سے

تم اکیلی ہو جلاوطنی، بدنصیب

کبھی کسی عورت نے تجھے اپنے پستانوں سے نہیں لگایا ہوگا

کسی عورت نے کبھی تجھے اپنے شبانہ جذبات میں

خواہشوں کی زبان میں شریک نہیں کیا ہوگا

جب ان کی راتیں چوری ہوتی ہیں

جب زمین اور آسمان ہمارے اندر ضم ہوتے ہیں

تمھارا تو کوئی بچہ بھی نہیں

جو تم سے آ کر کہے:

مجھے تم سے محبت ہے، ماں

تو اکیلی ہے جلاوطنی، اے ماکاؤں کی ملکہ
کوئی تعریف نہیں تیرے عصائے شاہی کی
کوئی باز نہیں تیرے گھوڑے پر
کوئی ہیرا نہیں تیرے تاج میں
نہ ہے کوئی بینر اور نہ ہی ہے کوئی بگل
کیسے کرتی ہو تم سب،
ساتھ ساتھ چلتے موسیقاروں، گائیکوں
اور محافظوں کے بغیر، ایک بزدل چور کی طرح؟
یہ ہو تم اور تمھاری شاندار عظمت
موت کی شہنشاہ، طاقتور،
موت کی کاروباری آشوری فوج کی سپہ سالار
تو کر ہمارے ساتھ اور خود اپنے ساتھ جو بھی تیرا دل چاہے
میں تو زندہ رہنا اور تجھے بھول جانا چاہتا ہوں

...

میں بھول جانا چاہتا ہوں تیرے ساتھ عمر بھر کی دوستی
اور دور آسمانوں سے آتے احکامات، جو ہوتے ہیں صرف پڑھنے کے لیے
میں ہر بار خود کو تمھاری آمد کے لیے تیار کرتا ہوں
اور تم مزید دور ہو جاتی ہو
ہر بار میں کہتا ہوں: دور ہو جا
مجھے اپنے دو جسموں کو ملانے دے ایک جسم میں
جس سے زندگی بہہ رہی ہو
لیکن ہر بار تو ظاہر ہوتی ہے اور آ جاتی ہے

میرے اور میری 'میں' کے درمیان
مت بھول ہماری ملاقات کا وقت... کب ہے بھلا؟
جب ساری دنیا انتہائی فراموشی میں
معبد کی لکڑی پر ایمان لا کر
مکمل فرماں برداری سے عبادت کر رہی ہو گی
اور غار کی دیوار پر لگی پینٹنگ کر رہی ہو گی اعلان:
میں ہوں یہ کھنڈرات اور میں ہوں اپنا بیٹا
کہاں ملیں گے ہم؟
جب میں کیفے باب البحر کا انتخاب کروں گا
تو کیا مجھے جانے کی اجازت دو گی؟
نہیں، گناہ کے بیٹے، فرزندِ آدم
خدا کی سرحدوں کے قریب مت جا
تجھے سوال اٹھانے کے لیے نہیں
عمل کے لیے پیدا کیا گیا ہے
ایک اچھی دوست بن، اے موت،
اور مجھے اپنی غیر مرئی دانش کے جوہر کو
سمجھنے کا موقع دے
شاید تو جلدی میں تھی
جب تو نے قابیل کو نشانے بازی کا فن سکھایا
شاید تو نے ایوب کی روح کو
صبر میں تحمل کی تربیت دیتے ہوئے سستی سے کام لیا
شاید مجھے میرح گھوڑے پر ہی مار گرانے کے لیے

تو نے بھی کس لی ہو گھوڑے پر زین
جیسے کہ جب میں یاد کرتا ہوں فراموشی
تو میرا حال صرف میری زبان میں زندہ رہتا ہے
جیسے کہ میں ہوں
ہمیشہ رہنے والا حال
جیسے کہ مجھے ہمیشہ پرواز کرنا چاہیے
جیسے کہ جب سے میں نے تجھے جانا ہے
میری زبان کو
تیری سفید بادلوں جیسی رتھ کی عادت پڑ گئی ہو
نیند کے بادلوں سے اوپر
تمام موسموں سے مکمل آزادی کی محسوسات سے بھی کہیں اوپر
خدا کے راستے پر ہم
ایک نقطۂ نظر کے جنون میں مبتلا دو نابینا صوفی ہیں
جا واپس جا موت، جا با حفاظت
یہاں، اس بے یہاں اور بے وہاں میں
میں آزاد ہوں
جا واپس اپنی جلاوطنی میں واپس، اکیلی
جا واپس اپنے شکار کے سامان کے پاس
اور سمندر کے قریب میرا انتظار کر
اور بیمار زمین پر میری واپسی کا جشن منانے کے لیے
تیار رکھنا سرخ وائین
مغرور اور سنگ دل مت بن

میں تیرا مذاق اڑانے یا
روحوں کے شمال میں جھیل پر ٹہلنے نہیں آرہا
اس کے باوجود کہ تمھارے زیر اثر
میں نے نظم کے اختتام کو نظر انداز کر دیا
میں گھوڑے پر بیٹھا اپنی ماں کا حفاظتی براتی بھی نہیں بنا
جب وہ میرے باپ سے شادی کے لیے جارہی تھی
میں نے اندلس کے عشقیہ شاعر کے لیے دروازہ کھلا چھوڑ دیا
میں نے باداموں اور اناروں کی باڑ پر
مکڑیوں کے جالوں سے بنی اپنے اجداد کی عبا صاف کرنے کے لیے
کچھ دیر وقفے کا انتخاب کیا
اُسی قدیم راستے کے برابر
اپنی قدیم جنگی مشین سے وقت کی پیائش کرتی
ایک غیر ملکی فوج بھی چلی جارہی تھی

...

موت! دو پاتالوں کے درمیان ابھرتی تاریخ
تیری جڑواں ہے یا دشمن؟
ہوسکتا ہے کچھ فاختائیں
آہنی خودوں میں گھونسلے بنائیں اور انڈے دیں
ہوسکتا ہے
ٹوٹی ہوئی گاڑیوں کے پہیوں میں
افسنتین اگنے لگیں
تو فطرت پر کیسا اثر پڑے گا

تاریخ کا، تیری جڑواں بہن یا دشمن کا
جب مقدس بارش زمین کے رُخ پر برسے گی
اور ایک ہو جائیں گے ارض وسما؟

...

موت! سمندر کنارے، رومان پسندوں کے کیفے کے دروازے پر
میری منتظر رہنا
اس بار تیرے تیروں کا نشانہ خطا ہو گا
اور میں مرنے والوں میں سے لوٹ جاؤں گا
صرف اُسے وداع کہنے
جو میرے اندر پردوں میں ہے
میری روح گندم سے بھری ہے
اور مجھے اُس کی آبیاری کرنی ہے
مجھے اپنی ہتھیلی اور کاندھوں پر بیٹھے
پرندوں کو دانہ ڈالنا ہے
میں اُس زمین کو وداع کہنے لوٹوں گا
جو میرے جسم کو پیتی ہے اور
ہرنوں اور گھوڑوں کے لیے
گھاس کی صورت بوتی ہے
اس لیے میرا انتظار کرنا
جب تک کہ میں زمان و مکاں کا مختصر دورہ ختم نہ کرلوں
شکریہ، زندگی
میرا یقین مت کرنا

میں لوٹوں تو بھی

اور نہ لوٹوں تو بھی

کیوں کہ میں نہ تو ہوں زندوں میں

اور نہ مرنے والوں میں

صرف تم ہو اکیلی

سب سے تنہا اور اکیلی

...

میری نرس کہتی ہے:

تم شدید بخار میں تھے اور چلا رہے تھے

اے دل! اے دل!

مجھے لے چل بیت الخلا تک

...

کیا فائدہ روح کا

اگر جسم بیمار ہے

اور اپنے کام بھی نہیں کر سکتا؟

اے دل، اے دل میرے قدموں کو واپس لا!

میں خود چل کر جانا چاہتا ہوں

بیت الخلا اکیلا

...

بھول چکا ہوں اپنے بازو، ٹانگیں

اور گھٹنے

سیب اور کششِ ثقل

بھول چکا ہوں اپنے دل
کا معمول
قبل از آغاز کا باغ اور حوا
یاد نہیں رہا مجھے
اپنے اعضا کے چھوٹے چھوٹے معمول
پھیپڑوں کا استعمال
بھول چکا ہوں بولنا
اور ڈرنے لگا ہوں زبان سے
چھوڑو دوسری تمام چیزوں کو
وہ جیسی بھی ہیں
صرف میری زبان کو لوٹا دو
اُس کی زندگی
میری نرس کہتی ہے:
تم رو رو کر کہہ رہے تھے
میں نہیں لوٹنا چاہتا کسی کی طرف
کسی ملک کو نہیں جانا چاہتا واپس
اس طویل غیر حاضری کے بعد
میں صرف اپنی زبان
اور اس کی گہرائیوں میں
فاختاؤں کی پُر محبت سرگوشیوں کی طرف
لوٹنا چاہتا ہوں
...

میری نرس کہتی ہے:

تم اپنے اختتام کے بارے میں پاگل ہو رہے تھے

اور مجھ سے پوچھ رہے تھے:

کیا یہی ہے موت

جو تم میرے ساتھ کر رہی ہو

یا وہ ہے زبان کی موت؟

...

بلند اور سبز ہے میری نظم کی زمین...

پانی کی بیاض میں بگلوں کی نظم

میں آہستگی سے بہت ہی آہستگی سے لکھتا ہوں

اور ان کے سپرد کر دیتا ہوں

جو حیران ہیں اور پوچھتے ہیں:

ہم کس کے لیے گائیں

جب نمک نے کہر کو زہریلا کر دیا ہے؟

سبز ہے یہ، میں اسے ایسے لکھتا ہوں

جیسے ہوں گندم کی بالیاں

خود اپنی اور میری بھرپورتا سے جھکی

اور لکھی جا رہی ہوں کھیت کی کتاب میں

ہر بار جب میں کسی کا دوست

یا گندم کی بالیوں کا بھائی بنتا ہوں

میں سیکھتا ہوں کیسے کیا جا سکتا ہے سامنا

فنا اور اس کے برخلاف کا

میں ہوں مرتا ہوا دانۂ گندم
جو پھر سے سبز پیدا ہوتا ہے

...

میری موت میں بھی ہے ایک طرح کی زندگی
جیسے کہ میں ہوں: جیسے کہ میں نہیں ہوں
کوئی نہیں مرا میرے بدلے میں
دل سے کچھ نہیں سیکھا مرنے والوں نے شکریے کے سوا
ہم پر رحم فرما، اے خدا...
اس فراموش جملے کو یاد کرنا مجھے خوشی دیتا ہے:
'میں ایسے بچے کو پیدا نہیں کروں گا
جسے اپنے باپ کی موت کا بوجھ اٹھانا پڑے'
میں الفاظ کی آزادانہ شادی کو ترجیح دوں گا
عورتیں ڈھونڈ لیں گی اپنے لیے مناسب مرد
شاعری کے بارے میں نثر کی غفلت کے درمیان...
میرے اعضا مصری توت کے ساتھ نمو پائیں گے
میرا دل ان سیاروں میں سے کسی ایک پر
اپنا ارضی پانی انڈیلے گا
کیا ہو سکتا ہوں میں موت میں موت کے بعد؟
کیا ہو سکتا ہوں میں موت میں موت سے پہلے؟
ایک بے صورت نے کہا: ادریس تھا میرے اور تمھارے جیسا
مریم کا بیٹا بھی تھا تمھارے اور میرے جیسا
بہ ہر صورت زخم اپنے وقت پر

بیمار نیستی کو نقصان پہنچاتا ہے
اور خیال بننے کے لیے
دنیاوی موت کے پیچھے چلا جاتا ہے
کس چیز سے پیدا ہوتا ہے شاعری کا فن؟
دل کے رجحان سے، نامعلوم کے ایک جبلی احساس سے
یا کسی صحرا میں ایک سرخ گلاب سے؟
جو ذاتی ہے وہ ذاتی نہیں ہے
جو ہے کائیناتی وہ کائیناتی نہیں ہے
جیسے کہ میں ہوں، جیسے کہ میں نہیں ہوں
ہر بار جب میں دل کی سنتا ہوں
غیب کے لفظ مجھ پر یورش کرتے ہیں
اور درخت مجھ میں بلند سے بلند ہونے لگتے ہیں
میں اپنے خواب سے پرواز کرتا ہوں
لیکن کہیں نہیں ہے میری آخری منزل
چند ہزار شعری سال قبل
میں سفید کتان کے اندھیرے میں پیدا ہوا
لیکن میں کوئی تمیز نہیں کر سکتا تھا
خود میں اور اپنے بارے میں اپنے خواب میں
میں ہوں جیسا ہے میرا خواب
گویا میں ہوں
گویا میں نہیں ہوں
شمال کی جانب صرف ایک اڑان کے بعد

میری زبان اپنے دیہاتی لہجے کو وداع کہہ دیتی ہے
ہمارے کتے خاموش ہو جاتے ہیں
پہاڑیوں پر کہر میں ہماری بکریاں غائب ہو جاتی ہیں
اور بے نشانہ تیر یقین کے چہرے کو چھلنی کر ڈالتے ہیں
حیران ہوں میں چھلانگیں لگاتی اپنی زبان پر
اور یہ پوچھنے سے جھجک رہا ہوں:
ماضی کیسے فیصلہ کر سکتا ہے امراؤالقیس کے عہد کا
کون پھٹا شاعری اور قیصر کے درمیان؟
ہر بار جب میں مڑتا ہوں اپنے چہرے کی طرف میرے معبود
وہاں دیکھتا ہوں ایک مہکتی زمین
نہاتا ہوں عناۃ کے انگوٹھی پہنائے چاند کی روشنی میں
عناۃ ہے لافانی بیٹے کی ماں اور جنگ کی دیوی
وہ اپنی بے پناہ کشش کے سوا کسی کا سوگ نہیں مناتی
کیا اس کی یہ تمام کشش صرف میرے لیے تھی؟
کیا کوئی شاعر نہیں تھا
خالی بستر کے جلال میں شریک ہونے
اور میری نسائیت کی باڑ پر
گلاب کے پھول توڑنے کے لیے؟
کیا کوئی شاعر نہیں تھا
جو میرے پستانوں سے شبانہ دودھ کو اترنے پر اکساتا؟
میں ہوں ابتدا اور میں ہوں انتہا
میری حد میری حدود سے متجاوز ہے

میرے بعد میرے الفاظ پر ہرن چوکڑیاں بھریں گے
اے مجھ سے پہلے... اے میرے بعد

...

میں خواب دیکھوں گا
لیکن ہوا کی رتھوں کی مرمت کا نہیں
نہ ہی زخمی روح کے زخموں کو بھرنے کا
اساطیر اپنے مقام پر پہنچ چکی ہیں
اور پلاٹ اپنے سیاق میں
نظم گذرتے ہوئے کو تبدیل نہیں کر سکتی
اس کے باوجود ماضی کو پیش کرتی ہے
وہ کسی زلزلے کو بھی نہیں روک سکتی
لیکن میں خواب دیکھوں گا
میری کچھ زمین مجھے ویسے ہی قبول کرے گی جیسا میں ہوں
پناہ گزینوں کے سمندر میں سے ایک
مشکل سوال کرنا بند کرو میرے بارے میں
میری جگہ اور کیا واقعی مجھے جنم دیا میری ماں نے
میرا دماغ شکوک وشبہات کا بُنا ہوا نہیں
اور میں چرواہوں اور بادشاہوں کا محصور بھی نہیں
میرے حال کی طرح میرا مستقبل بھی ہے میرے ساتھ
میرے پاس میرا چھوٹا سا روزنامچہ ہے
جب بھی کوئی پرندہ کسی بادل کو چرتا ہے
میں اسے لکھ لیتا ہوں

خواب نے میرے پروں کو کھول دیا ہے
میں بھی اڑ سکتا ہوں
ہر زندہ چیز ایک پرندہ ہے
میں ہوں، جو میں ہوں، اس کے سوا کچھ نہیں

...

میں سادہ لوگوں میں سے ہوں...
جب جو کا تہوار آتا ہے
تو میں اپنے پُرشکوہ کھنڈرات کو سلام کرنے جاتا ہوں
وہ ایسے ٹیٹو ہیں جو ہماری شناخت ہیں
اور جنھیں ہوائیں نہ تو اڑا کر لے جا سکتی ہیں
اور نہ ہی ہمیشہ کے لیے چھوڑ سکتی ہیں
اور انگور کی بیلوں کے تہوار پر
میں گشتی کاروباریوں کی وائین کا ایک گلاس پیتا ہوں
میری روح خفیف ہے اور میرا جسم
یادوں اور مقام سے بوجھل ہے
جب بہار آتی ہے تو میں بن جاتا ہوں
ایک پوسٹ کارڈ پر خاتون سیاح کے لکھے تاثرات:
بائیں جانب ہے ایک ویران تھیٹر کا اسٹیج، ایک گلِ سوسن اور ایک اجنبی
اور دائیں جانب ہے ایک جدید شہر

...

میں میں ہوں، بالآخر لاشے...
میں نمک کی سڑکوں پر نگراں رومیوں میں سے نہیں

لیکن میں اپنی روٹی میں نمک کا کچھ فیصد ادا کرنے پر مجبور ہوں
اور تاریخ سے کہتا ہوں: اپنے ٹرکوں پر
غلاموں اور بادشاہوں کو بھیس بدلا کر چڑھاؤ
اور گذر جاؤ
اب کوئی نہیں جو کہے: نہیں

...

میں میں ہوں، بالآخر لاشے...
رات کے لوگوں میں سے ایک
میں خواب دیکھتا ہوں
اونچائی ہے اور میں گھوڑے پر سوار ہو رہا ہوں
تاکہ پہاڑ کے پیچھے چشمے کو تلاش کر سکوں
مضبوطی سے جمے رہو میرے گھوڑے
اس ہوا میں ہم ایک ہیں ایک بار پھر

...

تم ہو میری جوانی اور میں ہوں تمھارا سایا
ایک 'میں' کی طرح اوپر اٹھو اور کوندا بن جاؤ
ہمیں اپنی خواہش کی چھلانگ کے ساتھ
بازگشت کی رگوں میں دھڑکنا ہے
چڑھو، پھر سے جمو، سیدھا اوپر اٹھو ایک 'میں' کی مانند
اکڑ جاؤ، ہٹ دھرم ہو جاؤ میرے گھوڑے!
سیدھا اوپر اٹھو ایک 'میں' کی مانند
حروف تہجی کے کسی متروک حرف کی طرح

اس آخری ڈھلان پر لڑکھڑانا مت

ان ہواؤں میں ایک بار پھر ہم ایک ہیں

اور تم ہو میرے نہ ہونے کا عذر

تقدیر کے راستے پر الگ تھلگ، میں ہوں تمھارا استعارہ

اے وہاں، میں اپنے گھوڑے میں ہوں

اور مقام ہے راستہ

اور کوئی راستہ نہیں ہے سڑک پر

سوائے اُس کے جسے تم ہوا پر رکھ رہی ہو

سراب میں ستاروں کو چمک بنا دو

روشنی کے ساتھ چمکنے دو عدم موجودگی کے بادلوں کو

اے میرے گھوڑے! بن میرا بھائی، میرے کوندے کا رہنما

اس آخری ڈھلان پر مت مر مجھ سے پہلے

میرے بعد اور میرے ساتھ

اپنی نظریں ایمبولنس پر رکھ اور مُردوں پر

ہوسکتا ہے کہ میں ابھی زندہ ہوں

...

میں خواب دیکھوں گا بیرونی معنی کی درستی کے لیے نہیں

بل کہ اُس کی ہولناک خشک سالی کی اندرونی ویرانی کو دور کرنے کے لیے

میرے دل کو خشک سالی نے ازبر کرلیا ہے، تمام کا تمام

میرا دل پورے دل سے مداخلت کار نہیں رہا

میرے دل نے تجسس چھوڑ کر

خود کو تمام آسائشوں آزاد کرلیا ہے

اتنا گر گیا ہے کہ اب اُسے اسپرین کی معمولی سی مقدار سے بہلایا جا سکتا ہے
میرا دل بن گیا ہے میرا غیر ملکی ہمسایہ،
میں تو شریک نہیں ہو سکتا اُس کی عورت اور خواہشات میں
فولاد تھے لیکن اب دلوں کو بھی لگنے لگا ہے زنگ
نہ تو کراہتے ہیں اور نہ خواہشیں کرتے ہیں
یا پھر ہو گئے ہیں بارش کی پہلی بوند کی شہوانی انگیخت سے نہال
ایسا بھی نہیں کہ اس خشک سالی میں اگست کی گھاس کی طرح کھڑکھڑا رہا ہو
ایسا صوفی بن گیا ہے جو خود پر حرام کر لیتے ہیں ہر چیز
میرا دل زاہد ہو گیا ہے یا خود میرا غیر مطلوبہ زائد
کاف کی تشبیہ ہو گیا ہے میرا دل
جب دل کا پانی خشک ہو جاتا ہے
تو اس کی جمالیات ہو جاتی ہے اور تجریدی
جذبات عبائیں پہن لیتے ہیں
اور کنوار پن خود کو لپیٹ لیتا ہے چالاکی میں

...

ہر بار جب میں اپنا چہرہ ابتدائی نغمات کی طرف موڑتا ہوں
تو چہرے پر تیتروں کی گائیکی کے اثرات دیکھتا ہوں
میرا بچپن ایسا خوش باش نہیں گذرا کہ کہہ سکوں:
ہمیشہ اچھا ہی ہوتا ہے وہ دن جو گذر جاتا ہے
لیکن یادداشت دو لطیف ہاتھوں سے
زمین کے جسم میں بھوکوں کی طرح بخار کو اکساتی ہے
یادداشت کے پاس ہے روتی ہوئی رات کے پھولوں کی مہک

جو جلا وطن خون میں گانے کی خواہش کو ہوا دیتی ہے
میرے غم کو ذرا سا اٹھاؤ تو میں اپنے وقت کو بازیاب کر سکتا ہوں
قدیم بحری جہازوں کا پیچھا کرنے کے لیے
مجھے ایک بگلے کے پروں کی پھڑ پھڑاہٹ درکار ہے
کتنا وقت ہوا ہوگا جب ہم نے جڑواں وقت کو دریافت کیا
فطری موت زندگی کے مترادف ہے
ہم اب تک ایسے زندہ ہیں جیسے موت سے خطا ہوگئی ہو
ہم جو یادآوری کے مستحق ہیں، آزادی کے بھی مستحق ہیں
اور وقتاً فوقتاً سبز گلگمش کے نقشِ قدم پر آگے بڑھتے ہیں

...

نیستی کا ایک مکمل وجود
پانی کے ایک چھوٹے بلوریں مرتبان کی طرح عدم موجودگی مجھ میں ٹوٹتی ہے
انکیدو ایک بار سویا تو پھر کبھی نہ جاگا
انکیدو کے پروں کی مٹھی بھر مٹی سے لتھڑے، میرے پر بھی سو چکے ہیں
میرے معبودِ تخیل کی سرزمین پر پتھر بن چکے طوفان ہیں
میرا دایاں ہاتھ لکڑی کی چھڑی ہے
اس دل کو ایک خشک کنویں کی طرح ترک کر دیا گیا ہے
ایسے حیوانی انداز سے اپنی توسیع کرتی ہے بازگشت:
انکیدو! اب اس سفر کو مکمل کرنے کے لیے
میرا تخیل اب میرے لیے کافی نہیں ہے
اپنے خوابوں کو حقیقت کرنے کے لیے
میرے پاس ضرور کافی طاقت ہونی چاہیے

کیوں نہ میں اپنے ہتھیاروں کو
آنسوؤں کے نمک سے آب دوں
انکیدو! ضروری ہے کہ آنسو ہوں
جو زندوں کا سوگ منانے میں مردوں کی مدد کر سکیں
جن سے میرا تعلق ہے
اب کون سوئے گا،
انکیدو! آدمی، جو میں ہوں یا تم؟
میرے معبود ہوا کو للچا رہے ہیں
تو، اپنی تمام لاپروائی کے باوجود
مجھے میری کامل بشریت کے ساتھ اٹھنے میں مدد دے
میرا خواب آسمانی معبودوں اور ہم سب کے درمیان
قلیل مساوات کی تلاش ہے
ہم ہیں وہ جو دجلہ اور فرات کے درمیان
ارضِ جمیل کو بازیاب کرتے ہیں اور ناموں کا احترام کرتے ہیں
اے دوست کیا تم مجھ سے اکتا گئے ہو؟
تم نے بھی مجھے کیوں چھوڑ دیا؟
خوب صورت نوجوانی کے بغیر
کس کام کی ہماری دانش؟
تو نے مجھے وہاں اکیلا چھوڑا ہے
جہاں بیابانی اپنا منہ کھولے بیٹھی ہے
اس لیے کہتا ہوں میرے دوست
کہ تو نے مجھے قتل کیا ہے

مجھ اکیلے کو ہی اکیلی،
انتہائی اکیلی تقدیر کی پیش بینی کرنی چاہیے
مجھ اکیلے کو ہی اپنے کاندھوں پر دھرا
زمین کا بوجھ اٹھانا چاہیے
ایک مشتعل بیل بن جانا چاہیے
مجھے ہی تلاش کرنی چاہیے اپنی گمشدہ اور اکیلی لاوقتیت
ضرور مجھے اس معمے کو حل کرنا چاہیے، انکیدو
تمھاری جگہ میں برداشت کروں گا تمھاری زندگی
میں اٹھاؤں گا تمھارا بوجھ
جہاں تک ساتھ دے ہمت اور ارادہ
کون ہوں میں، تنہا؟
نیستی کے ایک مکمل وجود کا مغلوب
اس کے باوجود کھجور کے درخت کے مقابل
میں تمھارے برہنہ سائے کے ساتھ دم لوں گا
لیکن کہاں ہے تمھارا سایا؟
کہاں رہے گا جب تباہ کر دیے جائیں گے تمام تنے؟
پاتال ہے آدمی کے عروج کی انتہا
میں ایک عورت سے کہوں گا کہ تمھیں دودھ پلائے
تاکہ تم اپنے اندر بیٹھے جانور سے لڑسکو
یہ میری ناانصافی تھی
لیکن تمھیں لذت دی گئی
اور تم دست بردار ہو گئے

انکیدو! مہربانی کر اور مرے ہوؤں میں لوٹ جا
ممکن ہے ہم کوئی جواب تلاش کر سکیں
کہ کون ہیں ہم اکیلے
نامکمل ہوتی ہے اکیلے آدمی کی زندگی
اور مجھے شدید ضرورت ہے
اس سوال کے جواب کی
کس سے پوچھوں گا
اس دریا کو پار کرنے کے بارے میں؟
تو اٹھ میرے بھائی نمک
اور مجھے بھی اٹھا
جب تم سو جاتے ہو
تو کیا تمھیں پتا ہوتا ہے کہ تم سو گئے ہو؟
بہت ہوگئی، اب جاگ
آگے چل ان دانشوروں کے
جو مجھے لومڑیوں کی طرح گھیرے ہیں
سب باطل ہے
تمھاری زندگی ایک خزانہ ہے
اسے جیو اور پوری طرح جیو
یہ ایک واحد لمحہ ہے
جو جنت کے کشید شدہ خون
اور خود تک پہنچانے کے راستے کا یقین دلاتا ہے
مرجاتی ہے ہر چیز

خواب میں نہیں، اپنی بیداری میں جی

جی اپنی زندگی اپنی محبوبہ میں

زندگی تمھارا جسم ہے، کوئی وہم یا گمان نہیں

...

انتظار

انتظار کر اس بچے کا جسے تیری روح لے کر چلے گی

ہمارے لیے پیدائش ہے لافانیت

اور سب ہے باطل و فانی یا ہے فانی و باطل

...

میں کون ہوں؟

گیتوں کے گیت کا گائیک؟

یا جامعات کی دانش؟

یا دونوں...

کوئی بادشاہ

کوئی شاعر

یا کنویں کی منڈیر پر بیٹھا دانش مند

کوئی بادل نہیں ہے میرے ہاتھ میں

میرے معبد کے گنبد میں

گیارہ سیارے نہیں ہیں

بے جسم ہو گیا ہے میرا جسم

اور بے ابدیت ہو گئی ہے میری ابدیت

دھول کا تاج پہنے

میری نشست پر بیٹھا ہے
میرا مستقبل

...

اختتام، اختتام کی اختتامیت ... اختتام
جو کچھ بھی ہے نہ ہونے کے لیے ہے

...

سورج سے طلوع ہوتا ہے سورج
سورج میں غروب ہوتا ہے سورج
سب سے بڑی لایعنیت یہ ہے کہ
کچھ بھی نہیں نیا
اور وقت ہے
ماضی
معبد بلند ہیں
اور بلند ہیں گندم کی بالیاں
آسمان نیچے آتا ہے
تو بارش ہوتی ہے
جب بھی ملک خود کو بلند کرتا ہے
مرجھانے لگتا ہے
جب بھی کوئی شے
اپنی حدود سے تجاوز کرتی ہے
تو بدل جاتی ہے
اپنے متضاد میں ...

...

غیب کا سایا ہے

زمین پر زندگی

اختتام، اختتام کی اختتامیت ...اختتام!

جو کچھ بھی ہے زمین پر نہ ہونے کے لیے ہے

محض اعداد و شمار...

...

۱۴۰۰ رتھ

اور ۱۲۰۰۰ گھوڑے

لے جا رہے ہیں

نسل در نسل میرا سنہری نام

گرد و پیش ہے آخر...

میں کبھی نہیں رہا

جیسے رہتا ہے ایک شاعر

کوئی بادشاہ یا دانشور...

بوڑھا ہو رہا ہوں

تھک گیا ہوں عظمت سے

تمام ہو چکی ہیں خواہشیں

کہیں اسی لیے تو نہیں

جتنا زیادہ جانتا ہوں

اتنا ہی زیادہ کرتا ہوں ماتم؟

کیا ہے یروشلم اور اس کا تخت؟

کچھ نہیں رہے گا، ہمیشہ بھی نہیں
وقت ہے پیدائش کا
اور موت کا
وقت ہے بولنے کا
اور وقت ہے چپ رہنے کا
وقت ہے جنگ کا
اور وقت ہے امن کا
سب کچھ ہے
گذر جانے کے لیے
تمام دریا سمندر میں جا گرتے ہیں
اس کے باوجود سمندر نہیں بھرتا
کچھ نہیں ہے ہمیشہ کے لیے
سب ہے مرنے اور ختم ہونے کا پابند
اس پر بھی نہیں بھرتا ہے
مرنے اور ختم ہونے کا دل
کچھ نہیں رہے گا
لیکن رہ جائے گا میرا نام
میرے بعد
[جیسے سلمان... تھا]
لیکن کیا کریں گے مرجانے والے
اپنے ناموں کا؟
کیا سونا چمکے گا

اس وسیع تاریکی میں
یا نغمات النغمات میں؟

...

اختتام، اختتام کی اختتامیت ...اختتام!
جو کچھ بھی ہے زمین پر نہ ہونے کے لیے ہے...

...

جیسے مسیح جھیل پر چلا
میں اپنے خواب میں چلا
میں صلیب سے اترا
اونچائی کے خوف سے
میں یوم الآخر کا مبلغ نہیں
میں صرف اپنے دل کی دھڑکن کو تبدیل کرتا ہوں
تاکہ سُن سکوں بالکل صاف واضح
اُس کی آواز
سورماؤں کے نشان ہوتے ہیں عقاب
میرا نشان ہے فاختہ
جس کی گردن میں پڑا ہوتا ہے طوق
ایک ستارہ کھو جاتا ہے چھت پر
ایک گھومتی سڑک
پہنچا دیتی عکا کی بندرگاہ
نہ تو کم اور نہ زیادہ
کہاں چھوڑ آیا ہوں خود کو

ایک خوش بچے کو
کہتا ہوں اپنے آپ سے: شب بخیر
(تب میں ایک خوش بچہ نہیں تھا
لیکن فاصلہ ایک ماہر لوہار تھا
جو بے کار لوہے کو چاندنی میں تبدیل کر سکتا تھا)
کیا تم مجھے جانتے ہو؟
میں نے فصیل کے قریب سائے سے پوچھا
شعلوں میں ملبوس ایک لڑکی میری طرف پلٹتی ہے
اور پوچھتی ہے: کیا تم مجھ سے پوچھ رہے ہو؟
نہیں، میں نے کہا،
میں ایک بھوت سے بات کر رہا ہوں
جو میرا پیچھا کرتا رہتا ہے
ایک اور مجنوں اور لیلیٰ بھی گھوم رہے ہیں
ان کھنڈروں میں، وہ کہتی ہے
اور پرانے بازار کے آخر پر اپنی دکان میں چلی جاتی ہے
یہاں ہم دو درخت ہیں
جو سمندر کو شاعروں کے پیغامات پہنچاتے ہیں...
ہماری عمریں زیادہ نہیں ہیں، اے میری ذات
سمندر اُس دیوار کو دیکھتا ہے
جو ہماری شکست کو توجہ کے قابل نہیں سمجھتی
برہمی کی تیز خوشبو کہتی ہے:
ہم اب تک یہاں ہیں

اگر وقت کے مقام سے الگ بھی ہوئے تو
تو بھی شاید ہم ایک دوسرے سے رخصت نہیں ہوئے
-کیا تم مجھے جانتے ہو؟
پوری قوت سے چلاتے ہوئے ایک لڑکا کہتا ہے:
(ہم کبھی جدا نہیں ہوئے، لیکن ہم کبھی اکٹھے بھی نہیں ہوں گے)
اس نے دو پھسلتی لہروں کو اپنے چھوٹے چھوٹے بازؤں سے باندھا
اور تیزی سے ہوا میں بلند ہو گیا
ہماری درمیان تارکِ وطن کون ہے؟ میں نے پوچھا
مغربی ساحل پر میں نے محافظ سے پوچھا:
-کیا تم پرانے محافظ کے بیٹے ہو؟
-ہاں!
-تمھارے والد کہاں ہیں؟
اس نے کہا: میرے والد کے انتقال کو عرصہ ہو گیا
مسلسل نگرانی کی اکتاہٹ نے اُسے تھکا دیا ہے
وہ اپنی ذمہ داریاں اور مستقبل مجھے سونپتا ہے
اور مشورہ دیتا ہے:
شہر کو اپنی نظموں سے محفوظ رکھنا...
میں پوچھتا ہوں: تم نے کتنے عرصے میری نگرانی کی
اور مجھ میں خود کو قید رکھا؟
وہ کہتا ہے: تب سے جب تم نے پہلی نظم کہی
میں کہتا ہوں: لیکن تم تو ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے!
اس نے کہا: میرے پاس وقت ہے اور میرے پاس ہے ابدیت

میں زندگی امریکیوں کی طرح گذارنا چاہتا ہوں

لیکن یروشلم کی دیواروں کے درمیان

میں نے کہا: رہو جو ہو، میں تو جا چکا ہوں

اب جسے تم دیکھ رہے ہو، وہ میں نہیں ہوں

میں تو ہوں بھوت

اُس نے کہا: بس کرو،

کیا تمھارے نام میں پتھروں کی بازگشت نہیں؟

اور اسی لیے نہ تو تم جا سکتے ہو اور نہ لوٹ سکتے ہو

تم اب تک اُس کی جیل میں ہو، جاؤ مجھے تنہا چھوڑ دو

میں کہتا ہوں: کیا میں اب بھی یہاں ہوں؟

کیا میں آزاد ہوں یا ابھی قید میں ہوں اور مجھے پتا بھی نہیں؟

اس دیوار سے ادھر جو سمندر ہے وہ میرا ہے

اس نے کہا: تم ہو خود اپنے قیدی، اپنی خواہشات کے قیدی

جسے تم اپنے روبرو دیکھ رہے ہو وہ میں نہیں

میں تو ایک بھوت ہوں

میں نے خود سے کہا: میں زندہ ہوں

اور میں نے پوچھا: صحرا میں جب دو بھوت ملتے ہیں

تو کیا وہ ایک ہی ریت پر چلتے ہیں؟

کیا اُن میں مقابلہ ہوتا ہے

ریت پر قابو پانے کے لیے

...

بندرگاہ کا گھڑیال

اکیلا ٹک ٹک کر رہا ہے
کسی کو رات کے وقت کی پروا نہیں
ماہی گیر اپنے جال ڈال رہے ہیں
اور لہروں کو گوندھ رہے ہیں
عشاق نائٹ کلبوں میں ناچ رہے ہیں
خواب دیکھنے والے
سوتی ہوئی بلبلوں کو سہلاتے ہیں اور خواب میں چلے جاتے ہیں
میں کہتا ہوں: جاگ جاؤں گا جب میں مروں گا
میرے پاس کافی ہیں دیروز
مجھے درکار ہیں فردا
میں اپنے قدموں کے پیچھے چلوں گا پرانے راستے پر
سمندری ہوا کے راستے پر
کوئی عورت مجھے اپنے بالکنی کے نیچے نہیں دیکھے گی
یادداشت میں کچھ بھی نہیں بچا
سوائے اُس کے جو مجھے اپنے لامتناہی سفر میں درکار ہے
پرانے دنوں میں کافی تھے فردا
میں تتلیوں سے لطیف
اور ہنسی میں گالوں پر پڑنے والے گڑھوں سے کہیں چھوٹا تھا
محبت بھری اس شام میں کھجور کے ایک دو درختوں تلے
میری بے خوابی لے لو اور مجھے کسی کہانی میں چھپا لو
مجھے شاعری پڑھاؤ تاکہ میں ہومر کی زمین پر گھومنا سیکھ سکوں
کیا قدیم اور خوب صورت شہروں میں

میں عکا کا ایک خاکہ بھی شامل کر سکتا ہوں
گنگناتی زمین پر مردہ اور زندہ دونوں ایسے چل رہے ہیں
جیسے بند چھتوں کے گرد منڈلاتی ہیں شہد کی مکھیاں
محاصرہ کڑا ہوتا ہے تو وہ اپنے چہروں کو پھولوں میں بدل لیتے ہیں
اور سمندر سے پوچھتے ہیں
کون سا دروازہ ہے محفوظ؟
مجھے شاعری پڑھاؤ،
شاید کسی لڑکی کو اپنے دور دراز محبوب کے لیے
ایک نظم کی ضرورت پڑ جائے
مجھے خود میں شامل کر لو چاہے طاقت ہی لگانی پڑے
اپنی مٹھی میں بند کر لو میرے خواب کو
گلے ملتے ہوئے وہ بازگشت میں شامل ہو گئے
بالکل اُسی طرح جیسے میں نے دو گم شدہ غزالوں سے شادی کی
میں نے ایک فاختہ کے لیے چرچ کا دروازہ کھولا تھا...
مجھے شاعری پڑھاؤ
وہ جس نے قمیض کے لیے اون کاتی
اور اپنا سارا وقت دروازے پر کھڑے کھڑے گزارا
ارمانوں اور زیادتیوں کی وضاحت کا زیادہ حق رکھتی ہے
جنگ پر جانے والے پلٹیں یا نہ پلٹیں
مجھے تمھارا انتظار نہیں...

...

بالکل جیسے مسیح جھیل پر چلا...

میں اپنے خواب میں چلا
اس کے باوجود میں صلیب سے اترا اونچائی کے ڈر سے
اور یومِ آخر کے بارے میں خاموشی اختیار کی
میں صرف اپنے دل کی دھڑکن کو تبدیل کرتا ہوں
تا کہ سُن سکوں بالکل صاف واضح
اُس کی آواز
سورماؤں کے نشان ہوتے ہیں عقاب
میرا نشان ہے فاختہ جس کے گلے میں ہے طوق کا نشان
ایک ستارہ چھت پر کھو گیا
اور ایک سڑک جو ختم ہوتی ہے بندرگاہ پر
یہ سمندر میرا ہے
یہ تازہ ہوا میری ہے
یہ فٹ پاتھ، میرے قدم،
فٹ پاتھ پر یہ مادۂ تولید میرا ہے
میرا ہے یہ قدیم بس اسٹیشن
میرا ہی ہے یہ بھوت اور اُس کا سایا
تانبے کے یہ برتن،
عرش اور آیت الکرسی اور چابی
اور دروازے کی گھنٹی، محافظ اور میں
اور یہ گھوڑے کی نال
جو اڑتی ہے فصیل کی اور میری طرف...
سب میرا ہے جو تھا میرا

یہ عہدِ جدید کے صفحات میرے ہیں
میرے گھر کی دیواروں پر یہ آنسوؤں کا نمک میرا ہے
اور میرا نام،
اگرچہ میں اس کا تلفظ غلط کرتا ہوں
مجھ سے پانچ حروف کی افقی ترتیب ادا نہیں ہوتی
یہ میرے دوست کا نام ہے
وہ جہاں کہیں بھی ہو، یہ نام میرا بھی ہو سکتا ہے
میرا ہے یہ غائب وجود، موجود بھی اور غیر موجود بھی
اب کے لیے تو کافی ہے دو میٹر زمین
ایک میٹر اور پچھتر سینٹی میٹر کافی ہیں میرے لیے
باقی ہے شاندار پھولوں کی افراتفری کے لیے
کہ آہستہ آہستہ میرا جسم تر کریں
میرا کیا تھا: میرا دیروز
میرا کیا ہوگا: میرا دُور کا فردا
اور گھومتی پھرتی روح کی واپسی
اور ایسے جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو
اور ایسے کہ جیسے کچھ ہوا ہی نہیں:
ایک معمولی سا کٹا ؤ لایعنی حال کے بازو پر
تاریخ اپنے معتوبوں اور سورماؤں کا مذاق اڑاتی ہے
ان پر یوں ہی سرسری نظر ڈالتی ہے اور گذر جاتی ہے
سمندر میرا ہے اور میری ہے یہ تازہ ہوا

اور میرا نام بھی میرا ہے
اگر چہ میں تابوت پر بھی اُس کا تلفظ غلط کرتا ہوں
جیسے کہ وہ میرے لیے ہر سبب سے بھرا ہے کہ میں اُسے چھوڑ جاؤں
مجھے کچھ پتا نہیں اپنا
میں اپنا نہیں ہوں
میں اپنا نہیں ہوں

○○

نظم و نثر کے نئے انداز

دنیازاد

کتابی سلسلہ

سال میں تین کتابیں

خصوصی اشاعتیں

عاشق من الفلسطین

سیاسی سماجی تجزیہ اور نظم و نثر کا انتخاب

دنیا دنیا دہشت ہے

تجربے سے تجزیے تک

میں بغداد ہوں

موجودہ صورت حال کا ادبی تناظر

بی ۱۵۵، بلاک ۵، گلشن اقبال، کراچی

ای میل: info@scheherzade.com

بیسویں صدی کے نصف سے اب تک محمود درویش عربی کے سب سے مقبول شاعر ہیں۔ عربی میں ان کی شاعری کے 30 کے لگ بھگ مجموعے اور نثر کی گیارہ کے قریب کتابیں شایع ہو چکی ہیں۔ ان کی شاعری اور نثر دنیا کی تقریباً ہر اہم زبان میں دستیاب ہے۔ وہ 13 مارچ 1941 کو پیدا ہوئے۔ 1948 میں اسرائیل بنا تو ان کے قصبے کو مسمار کر دیا گیا اور ان کے خاندان کو لبنان میں پناہ لینا پڑی۔ وہ سال بھر بعد لوٹے تو انھیں جیل، گھر میں نظر بندی اور پابندیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ اسرائیلی کمیونسٹ پارٹی میں شامل ہوئے اور 1970 میں تعلیم کے لیے ماسکو گئے۔ 1996 میں غرب اردن، راملہ میں رہائش اختیار کرنے سے پہلے وہ 26 سال تک قاہرہ، بیروت اور پیرس میں جلاوطن رہے۔ وہ فلسطینی تحریکِ آزادی کے ماہنامے کے مدیر اور ادبی جریدے الکارمل کے ایڈیٹر انچیف بھی رہے۔ انھیں بہت جلد فلسطین کے قومی شاعر ہونے کا مقام حاصل ہو گیا اگرچہ اس کا باقاعدہ اعلان بہت بعد میں کیا گیا۔ نوبل انعام کے علاوہ انھیں شاعری کے تقریباً تمام ہی بڑے اعزازات حاصل ہوئے۔ وہ دل کے عارضے کے باعث 9 اگست 2008 ہیوسٹن، ٹیکساس میں انتقال کر گئے۔

انور سن رائے 1950 میں بہاولپور کے قریب ایک چھوٹے سے قصبے خیر پور ٹامے والی پیدا ہوئے۔ نو عمری میں ہی والدین انھیں کراچی لے آئے۔ یونیورسٹی میں تعلیم کے دوران ہی وہ صحافت سے منسلک ہو گئے۔ وہ اردو نثری شاعری کی تحریک کے اولین لوگوں میں شامل تھے۔ 2001 میں وہ بی بی سی لندن سے وابستہ ہو گئے۔ محمود درویش کے علاوہ ان کے عرب شاعر اَدونیس کے تراجم بھی زیرِ اشاعت ہیں۔ ان کے دو ناول 'چیخ' اور 'ذلتوں کے اسیر' شایع ہو چکے ہیں۔ وہ اور معروف شاعرہ و فکشن نگار عذرا عباس 1976 سے شریکِ حیات ہیں۔ اب وہ اپنا تمام وقت پڑھنے لکھنے میں صرف کرتے ہیں اور کراچی اور لندن میں رہتے ہیں۔
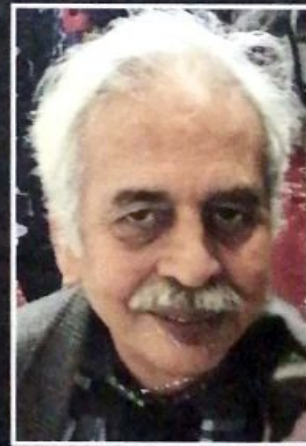
Pak Rs: 600/-